فہرست

عنوان	صفحہ
بلا تبصرہ	
واقعات کی داستان حقائق کی زبان سے	۱۷
استدراک	
مذہبِ اسلام کا سلوک غیر مسلموں سے	۳۳
ذمی کا مسلمان قاتل	۳۶
مشرک کی مالی امداد	۳۸
انسانی خون کی عظمت	۳۹
ایک اور سلوک	۴۳
تنگ خیالوں کی وسعتِ قلب	۴۴
"الحمد"!	۴۶
مرتد کی وراثت	۴۶
مرتد کی توبہ	۴۷
یہود سے معاہدہ	۴۹
عیسائیوں سے معاہدہ	۵۱
مزید تشریح	۵۲

عنوان	صفحہ
زمانہ ماضی کے جرائم	۵۳
معاہدہ کا متن	۵۵
قابلِ غور نکتے	۵۷
زیادہ سے زیادہ رعایت	۵۷
متبادل سہولتیں	۵۸
تحفہ نہیں عاریت	۵۸
تصاویر کی ضمانت	۶۰
بتوں کی حفاظت	۶۱
آنحضرتؐ کا مجوس سے معاہدہ	۶۲
بدترین دشمن سے معاملت	۶۴
اعتراف	۶۴
عہدِ خلافتِ راشدہ	۶۷
نشۂ قوت	۷۰
چند مثالیں	۷۰
حق خود ارادیت کا حشر	۷۱

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
اردو کا ماضی و حال	۷۲	خلافت	۸۶
وعدہ شکنی	۷۳	شہادت	۸۶
یہ ہے معاہدہ کا احترام	۷۴	حضرت علیؓ	۸۸
مساوات کا نادر نمونہ	۷۴	عشق رسولؐ	۸۹
تذکرہ خلفائے راشدین	۷۵	شجاعت	۸۹
حضرت ابوبکر	۷۵	مجاہدات	۹۰
شخصیت اور وجاہت	۷۷	خلافت	۹۰
یارِ غار	۷۸	فتنہ کا آغاز	۹۱
خلافت	۷۹	صلح و جنگ	۹۱
وفات	۸۰	خوارج	۹۱
بہت بڑی خدمت	۸۰	شہادت	۹۲
خلافت صدیقی پر ایک نظر	۸۱	انتخاب	۹۳
حضرت عمر	۸۱	اصلاحات نظم و نسق مملکت	۹۴
قبول اسلام	۸۲	پولیس کا نظام	۹۵
خلافت	۸۳	بحری بیڑہ	۹۶
شہادت	۸۴	تعمیرات عامہ	۹۶
حضرت عثمان	۸۴	مشورت، جمہوریت اور عوامیت	۹۷
قبول اسلام	۸۵	مشورت	۹۷
اسلام کا پہلا مہاجر	۸۵	مجاہدات و فتوحات	۹۸
بیعت رضوان	۸۶	فتح عراق	۹۸

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
عین التمر	۹۹	زبیر بن العوام	۱۰۹
دومۃ الجندل	۹۹	عکرمہ بن ابوجہل	۱۰۹
فراض	۹۹	ذمی	۱۰۹
اجنادین کی فتح	۹۹	حمص کے عیسائی	۱۱۰
جنگِ قادسیہ	۹۹	عمر کا عہد نامہ	۱۱۱
مدائن کا معرکہ	۱۰۰	خدا سے ڈرو	۱۱۲
چند اور معرکے	۱۰۲	معاہدہ حیرہ	۱۱۲
نہاوند	۱۰۲	غدار وطن ذمی	۱۱۲
فتح ایران	۱۰۳	مجمع عام میں	۱۱۳
خراسان	۱۰۳	ذمیوں کے حقوق	۱۱۳
فتح دمشق	۱۰۳	غلامی	۱۱۴
جنگِ یرموک	۱۰۴	بیت المال	۱۱۵
فتح بیت المقدس	۱۰۵	بغاوت	۱۱۶
شمالی افریقہ اور قبرص	۱۰۵	بصیرت اور فراست	۱۱۷
عجم سے کابل تک	۱۰۶	پاسِ عہد بحالتِ جنگ	۱۱۹
مصر و اسکندریہ کی فتح	۱۰۶	سیستان کی شرط	۱۲۱
شجاعت اور جانبازی	۱۰۷	فاتحانہ اور مصالحانہ	۱۲۱
نعمان بن عفرن	۱۰۸	جارج کا اسلام	۱۲۱
حضرت قباث	۱۰۸	عدل و انصاف و مساوات	۱۲۲
عباس بن قیس	۱۰۸	حضرت عمرؓ پر مقدمہ	۱۲۴

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
علی اور یہودی	۱۲۵	آیاتِ قتال کی تشریح	۱۴۶
آزادی تقریر	۱۲۶	آیتِ قرآنی سے استدلال	۱۴۷
حضرت عثمان اور عمرو بن العاص	۱۲۷	ناجائز مقاتلہ	۱۴۹
ابو موسیٰ سے سوال	۱۲۷	وسائل قہر و اکراہ دعوتِ دین کے طریقہ سے خارج ہیں	۱۴۹
حکومت اسلامیہ کا ربط و تعلق غیر مسلم اقوام و ملل کے ساتھ	۱۲۹	دعوتِ اسلام	۱۵۰
قانون جنگ و امن	۱۳۲	دولتِ اسلامیہ کی سیاست خارجہ کے اصول	۱۵۰
عصرِ حاضر کے تعلقاتِ خارجہ	۱۳۳	خطبات حجۃ الوداع	۱۵۱
قوانین امن و صلح	۱۳۳	غیر مسلموں سے تعلق اور علاقہ کی بنیاد	۱۵۱
اسلام کیا کہتا ہے ؛	۱۳۴		
حکومت اسلامیہ اور غیر مسلم ممالک	۱۳۴	دارالاسلام و دارالحرب	۱۵۲
چند قابل غور دلیلیں	۱۳۵	افکار و آرا کا اہم فرق	۱۵۳
حدیث قتال	۱۳۷	ہر دو افکار پہ محاکمہ	۱۵۴
کافروں سے ربط و تعلق کی ممانعت	۱۳۸	قرآن کریم کی چند آیتیں	۱۵۴
جبری تبلیغ	۱۳۹	آیاتِ قتال کی نوعیت	۱۵۶
رہائن کے ساتھ رعایت	۱۴۳	حدیثِ نبوی سے کیا ثابت ہوتا ہے؟	۱۵۷
ذمیوں کی امان کب ٹوٹتی ہے ؟	۱۴۳	کافروں سے پیمان دوستی	۱۵۸
مسلم اور غیر مسلم	۱۴۵	امام رازی کا قول کافروں سے معاملات کے بارے میں	۱۵۹
دلائل و بینات	۱۴۵		

عنوان	صفحہ
امام ابن تیمیہ کے ارشادات	۱۶۰
سنتِ رسول کی تائید	۱۶۱
ناسخ و منسوخ کی حیثیت	۱۶۲
مشرکین کا ظلم و جور	۱۶۳
خواہ مخواہ جنگ نہیں کی جا سکتی	۱۶۳
صحابہ کی لڑائیاں	۱۶۴
قوی اور ضعیف کی کشمکش	۱۶۴
امثال و نظائر	
کیا چشمِ فلک نے یہ منظر بھی کبھی دیکھا ہے؟	۱۶۷
داستانِ کہن	۱۷۲
حضرت ابوبکر صدیق کا زمانہ	۱۷۳
اسیرانِ جنگِ بدر	۱۷۳
شام کے پادری کا سر	۱۷۵
مسلمانوں کی ہجو کی سزا ذمی کو نہیں ملے گی	۱۷۵
جیش اسامہ	۱۷۷
دس نصیحتیں	۱۷۸
جنگِ ردہ	۱۷۹
نازک گھڑی	۱۸۱
مسلمانوں کی مظلومیت	۱۸۲
اتمامِ حجت	۱۸۴
امرائے عساکر کے نام فرمان	۱۸۸
چشمِ ندامت	۱۹۱
مجرم کے ساتھ رعایت	۱۹۲
تجدیدِ عہد	۱۹۳
حاکم پر عتاب	۱۹۴
حضرت ابوبکرؓ کے ہدایات	۱۹۵
قید کر لو قتل نہ کرو	۱۹۶
ذمیوں کے مخالف جزیہ میں محسوب ہوں گے	۱۹۷
بغاوت، صلح، صلح بغاوت	۱۹۸
ایک عجیب شرط اور اس کا نفاذ	۲۰۰
ایک اور معاہدہ	۲۰۲
نو مسلم شہید	۲۰۳
مسلمانوں کی تعریف دشمنوں کی زبان سے	۲۰۷
پہلے دور کا خاتمہ	۲۱۱

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
عہد عمرؓ	۲۱۷	نقضِ عہد کسی طرح گوارا نہیں	۲۵۴
ذمی کے بدلے مسلمان کا قتل	۲۲۲	عیاض اور ابو عبیدہؓ	۲۵۵
ذمی کے حقوق کا پاس و لحاظ	۲۲۳	صلحنامہ بذریعہ نامہ و پیام	۲۵۶
جان کا بدلہ جان	۲۲۶	جزیہ پر صلح	۲۵۷
بحرین کا خراج	۲۲۸	جزیہ کی نوعیت	۲۵۸
شرائط صلح	۲۲۹	نقضِ عہد کے بعد صلح	۲۵۹
فتح دمشق	۲۳۰	جبلہ اور حضرت عمرؓ	۲۶۰
رحم و کرم کا مظاہرہ	۲۳۴	ایک اثر انگیز واقعہ	۲۶۱
اہلِ نجران کی جلاوطنی	۲۳۵	سابق مرتدین سے حسن سلوک	۲۶۳
گالی دینے والا پادری	۲۳۸	حضرت عمر کا ایک خط	۲۶۳
کیا اب ایسا ہو سکتا ہے ؟	۲۴۰	اہل بعلبک سے عہدنامہ	۲۶۴
بنو تغلب ہیں نصاریٰ تھے یا مشرک ؟	۲۴۴	ذمیوں کے ساتھ رعایت	۲۶۵
خراج میں اضافہ نہ کرنے کا عہد	۲۴۶	افراد پر جزیہ، زمین پر خراج	۲۶۶
غیر مسلم عرب سے تعاون	۲۴۶	بیمار عیسائیوں کی مالی امداد	۲۶۷
عمال کی تعدیل	۲۴۸	ذمی کے احسان کا بدلہ	۲۶۸
ارضِ سواد کا فیصلہ	۲۵۰	عیسائی عالم کی قدر و منزلت	۲۶۹
ذمی کی رعایت خاص	۲۵۱	رعایت کی رعایت	۲۷۰
رہا کے عیسائیوں سے صلح	۲۵۲	غلام کی عطا کردہ امان	۲۷۱
اسی طرح کا ایک اور واقعہ	۲۵۵	غلام کے چند اور حقوق	۲۷۲
		حریت انسانی کا احترام	۲۷۴

عنوان	صفحہ
غلام نہ بنانے کا عہد	۲۷۵
صلح ، بغیر جنگ کے	۲۷۵
نقض عہد کے بعد مقاتلہ ، پھر دورِ غلامی ، پھر رہائی	۲۷۶
صحابہؓ کا قاتل اور مسلمانوں کا دشمن ایک غیر مسلم دربار خلافت سے پروانہ رہائی حاصل کرتا ہے ۔	۲۷۷
اسیرانِ جنگ کی رہائی	۲۸۰
حضرت عمرؓ کی مداخلت	۲۸۱
محکوم کے شرائط	۲۸۳
جزیہ پر صلح	۲۸۳
حضرت عمرؓ کے چند مکاتیب	۲۸۴
عیسائی کا ترکہ	۲۸۴
حضرت عمرؓ کا اجتہاد	۲۸۵
تشریح مزید	۲۸۶
غیر مسلموں کے حقوق کی خاطر حضرت عمرؓ کی مسلمانوں سے برہمی	۲۸۷
مصر کے مفتوحوں سے سلوک	۲۹۰
غلاموں کو رہا کردو	۲۹۱
ہدایت نامہ عمرؓ	۲۹۲

عنوان	صفحہ
اور یہ تھے حضرت عمرؓ !	۲۹۳
ذمیوں سے حسن سلوک کا حکم	۲۹۵
ذمی کی دیت کا فیصلہ	۲۹۷
حضرت عمرؓ کا غیر مسلم غلام	۲۹۸
حضرت عثمانؓ کا دور	۳۰۱
پاس وفا کی تاکید	۳۰۴
معاہد پر ظلم نہ کرو	۳۰۶
حضرت عثمان کا پہلا امتحان	۳۰۷
حضرت عثمان کا اجتہاد	۳۱۱
بغاوت کا صلہ	۳۱۳
فتوحاتِ عثمانی	۳۱۵
بربر قبائل	۳۱۸
ہرات کا صلحنامہ	۳۱۹
تحفہ قبول کرنے میں احتیاط	۳۲۰
کرمان کی بغاوت اور اطاعت	۳۲۲
قبرص کی بغاوت	۳۲۲
نجران کے عیسائی	۳۲۳
شرائط صلح	۳۲۶
برقہ کی فتح	۳۲۷

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
قبطیوں کی وفاداری	۳۲۸	گورنر کے نام خط	۳۷۳
مجرم کی سزا	۳۲۹	ذمیوں کی شکایت	۳۷۳
فتح افریقہ	۳۳۰	اپنے قاتل کے لئے حسن سلوک کی وصیت	۳۷۴
یہ مبت واپس لے لو	۳۳۴		
ذمیوں کے سبب عمرو بن العاص کی معزولی	۳۳۵	میرے قاتل کی شکل نہ بگاڑنا	۳۷۶
حضرت عثمان پر الزام	۳۳۷	کمزور تمہارے انصاف سے مایوس نہ ہوں	۳۷۸
دیبل کے کافروں سے عہد نامہ	۳۳۸	افسران خراج کے نام	۳۷۹
		عہد خدا کا حرم ہے	۳۸۵
دورِ مرتضوی	۳۴۳	ذمیوں پر زیادتی نہ ہو	۴۰۴
		ذمیوں کے لئے ایک اور فرمان	۴۰۵
کٹھن گھڑی	۳۴۹	نیا دستور نہ رائج کرو	۴۰۶
ایک ذمی دربار علیؓ میں	۳۵۰	فاتح خیبر	۳۹۵
اہل کتاب کا احترام	۳۵۲	ذمیوں کے ساتھ رحم و رعایت کی تاکید	۴۰۹
علیؓ اور معاویہ	۳۵۲		
ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک	۳۵۸	علیؓ اور ابوسفیان	۴۱۰
امیر معاویہ کی غلطی اور اس کی اصلاح	۳۵۹	غلاموں کے ساتھ حسن سلوک	۴۱۱
علیؓ کا انصاف	۳۶۴	جزیہ وصول کرنے میں نرمی کا حکم	۴۱۲
علیؓ کا اصول	۳۶۵	زیادہ سے زیادہ رعایت	۴۱۳
قتل خوارج کی ممانعت	۳۶۹	ایک واقعہ کی مزید تفصیل	۴۱۴

عنوان	صفحہ
ضمیمہ	
مذہب اور تلوار	۴۱۷
جبری تبدیل مذہب	۴۲۶
پارسی مذہب اور تلوار	۴۲۷
بدھ مذہب کی اشاعت	۴۲۸
آریوں کا برتاؤ غیر آریوں سے	۴۲۸
عیسائی مذہب کا جبر و جور	۴۳۰
جبری تبدیل مذہب کی کوششوں کے نتائج	۴۳۱
مسلمانوں کا داخلہ غیر مسلم شہروں میں	۴۳۳
آریہ اور بدھ	۴۳۴
ہندوستان میں تبلیغ اسلام	۴۳۵
راجپوت کیوں مسلمان ہوتے؟	۴۳۶
اسلام کی عاملانہ حالت	۴۳۸
اسلام کس طرح پھیلا؟	۴۴۶
مسلمان جبر کر سکتے تھے	۴۴۷
اسلام چین میں	۴۴۷
افغانستان میں اسلام کا ورود	۴۴۹
ترک اور مغل کیونکر مسلمان ہوئے؟	۴۴۹
اسلام کی معمولانہ حالت	۴۵۰
صداقت اسلام کا ثبوت	۴۵۱
اسلام ہندوستان میں	۴۵۱
محمد بن قاسم	۴۵۲
محمود غزنوی	۴۵۵
محمود نے متھرا پر کیوں حملہ کیا؟	۴۶۰
قنوج کے راجہ کے ساتھ محمود کا حسن سلوک	۴۶۱
محمود غزنوی کا ہندو راجہ پر احسان	۴۶۱
پنجاب کے نو مسلم خاندان	۴۶۵
شہاب الدین غوری	۴۶۹

بلا تبصرہ

واقعات کی داستان حقائق کی زبان سے

مسلمان عربوں نے اپنے دینی عقاید، طرزِ کلام حتیٰ کہ اپنے
جسمانی خدوخال کے اعتبار سے بھی غیر قوموں کے افراد کی جتنی
تعداد کو اپنے اندر جذب کرلیا تھا، اتنی بڑی تعداد میں کوئی
قوم آج تک جذب نہ کرسکی، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

THE ARABS A SHORT HISTRY

سر ٹامس آرنلڈ کا بیان ہے "اسپین کے عیسائیوں نے جن پر کیتھولک فرمانرواؤں کے زمانہ میں نکبت اور فقر و شدت کی حکومت تھی، مسلمانوں کی حکومت میں جو مذہبی رواداری میں مشہور تھے، بہت سے تمدنی حقوق حاصل کرتے تھے، اسلام کی عالمگیر مساوات، رواداری اور انسانی آزادی کے احترام کی وجہ سے سب سے پہلے ان غلاموں نے اس کا خیر مقدم کیا جو صدیوں سے پستی کی حالت میں تھے۔ اس کے بعد بہت سے بت پرستوں نے اس کی تقلید کی اور کثرت سے مسلمان ہو گئے۔"

یونان کے فلاسفر نے نوع انسانی کو دو قسموں میں تقسیم کیا تھا، پیدائشی آزاد، پیدائشی غلام ان کے خیال میں دوسری قسم صرف پہلی جنس کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ ارسطو نے غلامی کا رواج سوسائٹی کے لیے ضروری قرار دیا تھا۔ اس کا زاویۂ نگاہ تھا کہ "ریاست (STATE) کے قیام کی حقیقی غرض یہ ہے کہ وہ ہیئت اجتماعی یا سوسائٹی کی زندگی کو بہتر سے بہتر بنا سکے۔ اس مقصد کے لیے ناگزیر ہے کہ غلاموں کا وجود بھی ہو تاکہ ریاست کے سخت جسمانی کام غلام انجام دے سکیں، جنہیں سوسائٹی نہیں کر سکتی یا نہیں کرنا چاہتی" اس غرض کے لیے یونانی ان لوگوں کو غلام بنا لیتے تھے، جنہیں وہ جنگوں میں گرفتار کرتے تھے اور سوسائٹی کے ذلیل کام ان سے لیتے تھے، اور یونانی خود ریاست کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے اور دستوری مجلسوں کے فرائض رکنیت انجام دیتے تھے۔

رومیوں کا عقیدہ تھا کہ تمام لوگ آزاد پیدا ہوئے ہیں، مگر اس عقیدے کے باوجود ان کی نظر میں وہ لوگ جو جنگ میں قیدی بنا لیے جائیں، یا ان کے والدین غلام ہوں یا جو لوگ اپنا قرض ادا نہ کر سکتے ہوں، یا لشکر سے بھاگ گئے ہوں، یہ سب لوگ غلامی کی زندگی کے مستحق تھے۔

یہودیوں میں غلاموں کی دو قسمیں تھیں، ایک تو وہ یہودی تھے جنہیں کسی مذہبی جرم یا قرض کی عدم ادائگی کی وجہ سے غلام بنا لیا جاتا تھا، دوسرے غیر اقوام کے وہ اشخاص تھے جنہیں جنگوں میں گرفتار کیا جاتا تھا۔ یہ غلام گھروں کا کام، محفلوں کے چھوٹے کام اور کاشت کاری وغیرہ کیا کرتے تھے اور ان کی حیثیت میں کاموں کے اختلاف سے کوئی فرق نہ پیدا ہوتا تھا، یہ لوگ سوسائٹی میں نہایت ذلت سے اپنی زندگی کے دن پورے کرتے تھے، حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے غلامی کا رواج، مٹانا تو کجا، اس حیوانیت سے فروتر طبقہ کی سطح زندگی بلند کرنے کے لیے بھی کوئی قدم نہ اٹھایا تھا۔

فان ربنرگ نے غلاموں کے ساتھ مسلمانوں کے برتاؤ کا خاکہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے: "اسلام نے غلاموں کے لیے اس قسم کے قوانین بنا دیے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے پیروکاروں کو انسانی احترام کا کتنا احساس اور شعور تھا، ان قوانین میں، ان قوانین کے مقابلہ میں صدہا خوبیاں نظر آتی ہیں جو تہذیب و تمدن کی علمبردار قوموں نے اپنی ماتحت قوموں کے لیے بنائے ہیں۔ اسلام نے غلامی کے نظام کو اگرچہ باطل نہیں کیا لیکن اس میں غیر معمولی اصلاحات کیں اور غلاموں کی حیثیت محض قیدیوں کی رہ گئی، جن سے انتہائی نرمی کے برتاؤ کا حکم دیا گیا۔[۱]"

---

[۱] الاسلام روح المدنیۃ - ص ۴۲۱

اسلام میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو اسیر کرنا اور اسے غلام بنانا مطلق جائز نہ تھا، لیکن غیر مسلم جب جنگوں میں گرفتار کیے جائیں تو انہیں غلام بنانے میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔ اس وقت عربی نسل اور غیر عربی النسل میں بھی کوئی امتیاز نہ تھا۔

شریعت[1] اسلامی میں کسی مسلمان کو کسی حالت میں بھی غلام بنانا جائز نہیں ہے، صرف جہاد کے (جو خدا کے نام اور دین کی سر بلندی کے لیے کیا گیا ہو) اسیرانِ جنگ غلام بنائے جا سکتے ہیں۔ اس وقت یہ ضروری تھا کہ غیر مسلموں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے میں پیش قدمی کی ہو، لیکن جو غیر مسلم قومیں مسلمانوں سے برسرِ پیکار نہ ہوں انہیں امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ (ایک روایت میں) ابو حنیفہ کے نزدیک غلام بنانا بالکل ناجائز ہے۔

---

[1] آیت ۳ سورہ حجرات

اسلام نے غلامی کو ایک عارضی چیز قرار دیا اور غلاموں کے لیے اپنی آزادی کو حاصل کرنے کے لیے بہت وسیع میدانِ عمل پیدا کر دیا۔

"اگر تمہارے لونڈی غلام تم سے مکاتبت کی درخواست کریں تو تم انہیں مکاتب بنا دو۔"

(آیت ۳۳ - سورہ نور)

مکاتبت کا مفہوم یہ ہے کہ آقا سے غلام ایک معیّن مقدار، محدود مدّت میں ادا کرنے کا معاہدہ کرلے، یہ رقم ادا کر دینے کے بعد وہ آزاد خیال کیا جاتا تھا۔ ادائیگی کی اس مدّت میں غلام تجارت، خرید و فروخت اور دوسرے تصرفات کر سکتا تھا، جن سے وہ مال فراہم کر سکے۔

اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لیے متذکرہ صدر وسائل کے علاوہ اور اسباب بھی پیدا کر دیئے۔ مثلاً صرف زکوٰۃ میں مکاتب غلام کی مالی امداد کرنا بھی داخل ہے اور صدقات کے مال سے غلام خرید کر آزاد کیئے جا سکتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک بار دور سے ابن مسعود رضؓ کو اپنے غلام کو کوڑے مارتے دیکھ لیا۔ آپؐ نے وہیں سے انھیں ڈانٹا اور قریب آکر نہایت غصّہ سے فرمایا "خدا اس سے زیادہ تم پر اقتدار رکھتا ہے، جتنا تم اس غلام پر رکھتے ہو۔"

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ سوار ہے اور اس کا غلام پیچھے پیچھے دوڑتا جا رہا ہے، آپ نے فرمایا "خدا کے بندے! اسے بھی اپنے ساتھ بٹھا لے، یہ تیرا بھائی ہے، تیری طرح اس میں بھی جان ہے۔"

ایک دفعہ ابن سویدؓ نے حضرت ابوذر غفاریؓ اور ان کے غلام کو ایک ہی قسم کا لباس پہنے دیکھا تو حیرت سے دریافت کیا۔ حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، تمہارے غلام، تمہارے بھائیوں کی حیثیت رکھتے ہیں، تمہیں چاہیئے کہ جو تم کھاؤ وہی انہیں کھلاؤ، جو تم خود پہنو وہی اُنہیں پہناؤ ....

اسیرانِ جنگ کی خبر گیری مہمانوں کی طرح کی جاتی

جنگ بدر میں جو قیدی مدینہ منوّرہ میں چند روز تک مسلمانوں کے پاس اسیر رہے۔ ان میں سے ایک کا بیان ہے، خدا مسلمانوں پر رحم کرے، وہ اپنے اہل و عیال سے اچھا ہم کو کھلاتے تھے اور اپنے کنبے سے پہلے ہمارے آرام کی فکر کیا کرتے تھے۔"

من قتل معاهدًا
لم يرح رائحة الجنة
وان ريحها يوجد من
مسيرة اربعين
عامًا ۱؎

اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم معاہد (رعایا) شخص کو قتل کرے گا تو وہ بہشت کی خوشبو بھی نہ سونگھنے پائے گا۔ حالانکہ بہشت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے۔

۱؎ بخاری عن عبداللہ بن عمرؓ۔ کتاب الجزیہ

لا فضلٌ لعربیٍ علیٰ
عجمی ولا لعجمی علےٰ
عربیٍ ولا ابیضٌ علےٰ اسودٍ
ولا لاسودٍ علےٰ ابیضٌ
الّا بالتّقویٰ ؎

عرب کے کسی باشندہ کو عجم کے کسی باشندہ
پر اور عجم کے کسی شخص کو عرب کے کسی
شخص پر۔ گورے رنگ والے کو کالے
آدمی پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت
نہیں ہے۔ فضیلت کا ذریعہ تو صرف
وہ خدا ترسی ہے،

؎ زاد المعاد، جلد ۲۔ ص ۱۸۵

لا ینھٰکم اللہ عن الذین
لم یقاتلوکم فی الدین
ولم یخرجوکم من دیار
کم ان تبرّوھُمْ و
تقسطوا الیھم ان اللہ
یحبّ المقسطین ۞
الممتحنہ (۶۰) آیت ۸

خدا تمہیں ان لوگوں کے ساتھ مہربانی
کرنے سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تم
پر مذہب کی وجہ سے چڑھائی نہیں
کی ہے، یا جنہوں نے تمہیں گھروں
سے نکال باہر نہیں کیا ہے۔ بیشک
خدا ان سے محبت کرتا ہے جو عدل و
انصاف کا برتاؤ کرتے ہیں۔

(۱)	لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ	دین کے بارے میں کسی پر جبر نہیں کیونکہ
	قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ	ہدایت اور گمراہی اچھی طرح ظاہر ہو
	(سورہ بقرہ رکوع ۳۴)	چکی ہے ۔
(۲)	وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ	اگر تیرا پروردگار چاہتا تو زمین پر سب
	فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا	کے سب باشندے ایمان لے آتے ۔ کیا تو
	اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى	ان لوگوں کو مجبور کرنا چاہتا ہے کہ سب
	يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (سورہ یونس)	ایمان لے آئیں ۔
(۳)	اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ	تم اسے ہدایت نہیں دے سکتے
	وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ	جس سے محبت کرتے ہو مگر اللہ جسے
	مَنْ يَّشَآءُ (سورہ قصص رکوع ۶)	چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے ۔
(۴)	فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ	نصیحت کرتا رہ ۔ کیونکہ تو نصیحت
	لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝	کرنے والا ہی ہے ان پر داروغہ
	(سورہ غاشیہ پ عمّ)	نہیں ہے ۔

آنحضرت وعظ اور تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گئے ۔ وہاں کے باشندوں نے آپؐ پر کیچڑ پھینکی ۔ آوازے کسے اتنے پتھر مارے کہ آپؐ لہو سے تر بتر اور بے ہوش ہو گئے ۔ پھر بھی فرمایا کہ میں ان لوگوں کی ہلاکت نہیں چاہتا کیونکہ اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو امید ہے کہ اُن کی اولاد مسلمان ہو جائے گی[1] ۔

---

[1] صحیح بخاری

حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد ایک صدی کے اندر ہی آپ کے پیرو ایک ایسی وسیع و عریض سلطنت کے مالک بن گئے تھے جو رومیوں کو ان کے انتہائی عروج کے وقت بھی نصیب نہیں ہوئی تھی، اس سلطنت کے دامن اگر ایک طرف خلیج بسکے (BISCAY) سے دریائے سندھ اور چین کی سرحدوں تک پھیل گئے تھے، تو دوسری طرف بحیرۂ خوارزم اور دریائے نیل کے شمالی آبشاروں کو انھوں نے اپنے اندر سمیٹ لیا تھا، ـــــ!"

استدراک

•

داعیٔ اسلام کا سلوک غیر مسلموں سے

"اسلام اور رواداری" کے پہلے حصہ میں، ہم بسط و تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں کہ غیر مسلموں، — کافروں، مشرکوں، منافقوں، —————— حتیٰ کہ دشمنوں اور معاندوں تک کے ساتھ اسلام کا برتاؤ۔ کتنا فراخ دلانہ، اور روادارانہ رہا ہے، اس سلسلہ میں، قرآن کریم کے آیات، حدیث نبوی کے روایات اور فقہائے امت کے اجتہادات سے استدلال کر کے ہم اپنا مدعا ثابت کر چکے ہیں، زیر نظر کتاب اسلام اور رواداری کا حصّہ دوم ہے، اس میں، ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد، جو لوگ، مسند نبوی پر جلوہ آرا ہوئے، انہوں نے اپنے رسولؐ اور اپنی دینی کتاب کے احکام و ہدایات کی کہاں تک پیروی کی؟ خلافت راشدہ کے بعد اگرچہ، وہ خلافت کا نام قائم رہا، لیکن درحقیقت، اسم اور مسمّیٰ میں کوئی مناسبت نہیں تھی، اب سچّی خلافت کا دور ختم ہو چکا تھا اور ملوکیت قیصریت، اور بادشاہت کی فرماں روائی تھی، اب نہ وہ فقر تھا، نہ اخلاص، جو اسلام کے عہد اوّل کا طغرائے اختیار تھا، اب بادشاہت تھی، ملوکیت تھی، اب قرآن کی حکومت نہیں نفس کی فرماں روائی تھی، — الّا ماشاء اللہ!

لیکن، بایں ہمہ، اس دورِ ملوکیت میں، خالص اسلامی نقطۂ نظر سے خواہ کتنی ہی اور کیسی ہی کوتاہیاں، اور لغزشیں عالمِ وجود میں آئی ہوں، لیکن غیر مسلموں کا جہاں تک تعلق ہے، ان کے ساتھ، ان سفاک اور خون آشام مسلمان فرماں رواؤں نے بھی کوئی زیادتی نہیں کی، جن کی تلواروں سے ہمیشہ ان کی قوم (مسلمان) کا خون ٹپکتا رہا، یہ تاریخ کا بہت عجیب واقعہ ہے، لیکن واقعات بہر حال جھٹلائے نہیں جا سکتے اور اگر ایسا کیا جائے، تو بھی ان کی حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم اپنے اصل موضوع پر گفتگو کریں، اور خلافت راشدہ، پھر بعد کے دورِ ملوکیت پر ایک نظر ڈالیں کہ اس عہد میں غیر مسلموں کے ساتھ مسلم حکومت کا کیا برتاؤ رہا؟ ضروری ہے کہ ایک مرتبہ، مختصر طور پر، پھر عہد نبوی پر ایک نظر ڈال لی جائے، اس سلسلہ میں، میں نے اس کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ مسائل اور واقعات کے بیان میں، تکرار اور اعادہ سے گریز کروں، اس باب میں جو معلومات پیش کئے گئے ہیں، ان کا بڑا حصہ، بالکل جدید ہے، یعنی، اسلام اور رواداری کے حصہ اوّل میں یہ معلومات پیش نہیں کئے گئے تھے، حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع جمیل پر، سیرت نبوی میں اتنے واقعات ہیں کہ ضخیم ترین کتاب میں بھی، ان سب کا استقصا ممکن نہیں لہذا، تکرار اور اعادہ کا (بجز مخصوص صورت کے) سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، بہر حال عہد نبوی کے چند خاص واقعات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں ان کے مطالعہ کے بعد زیادہ صحت کے ساتھ، عہد خلافت راشدہ اور عہد ملوکیت کے واقعات کا اندازہ ہو سکے گا۔

(۱)

ذمّی کا مسلمان قاتل

کتب علیکم القصاص کی تفسیر میں، ابو بکر جصاص نے یہ ثابت کیا ہے کہ، اگر

کوئی مسلمان، کسی ذمی (کافر) کو قتل کردے گا، تو، وہ بھی قتل کیا جائے گا، اس معاملہ میں مسلمان کو، ذمی پر کس قسم کا تفوق اور ترجیح نہیں حاصل ہے۔ قرآن سے، اپنا مقصود ثابت کرنے کے بعد موصوف نے سنت نبوی پر توجہ کی ہے، اور اس سلسلہ میں بھی بہت سے دلائل، اپنی تائید میں پیش کئے ہیں، فرماتے ہیں:

ابوہریرہ کی روایت کے مطابق ازروئے سنت یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، خبردار، جس کسی نے (بے گناہ) کو قتل کیا، تو اب اس کے لیے دو ہی راستے ہیں، قصاص، یا دیت! عثمان اور مسعود، اور عائشہ رض کی رسول اللہ صلعم سے روایت ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے بجز اسکے کہ تین میں سے کسی ایک جرم کا مرتکب ہوا ہو: شادی کے بعد زنا، ایمان کے بعد کفر، اور کسی غیر خونی کا قتل، اور ابن عباس کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ قتل عہد مستحق

ومن جهة السنة ما روى عن ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خطب يوم فتح مكة فقال الا ومن قتل قتيلا فوليه بخير النظرين بين ان يقتص او ياخذ الدية وان مسعودؓ وعائشةؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم يحل دم امرى مسلم الا باحدى ثلاث، زنا بعد احصان، وكفر بعد ايمان وقتل نفس بغير نفس وحديث ابن عباس ان النبي صلى الله

علیه وسلم السلام	قصاص ہے۔ ان تمام احادیث
قال العلم قود وهذه	سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان ذمی
الاخبار يقتضي ها	کے بدلہ میں قتل کیا جا سکتا ہے اور
قتل المسلم بالذمی	عبدالرحمان بن سلمانی کی روایت ہے
روى عبد الرحمن	کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمی کے
بن السلمانی ان النبی ع السلام	بدلہ میں مسلمان سے قصاص لیا۔ اور
اقاد مسلما بذمی وقال	فرمایا اس ذمہ کو وفا کرنے کا سب
انا احق من وفی بذمته	سے زیادہ حقدار میں ہوں۔

(۲)

مشرک کی مالی امداد

مشرک کو صدقہ کی رقوم بطور امداد کے دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ قرآن کی رو سے ہم گذشتہ صفحات میں ثابت کر چکے ہیں کہ دی جا سکتی ہے، حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے، آیات قرآنی سے اس معاملہ میں استشہاد کرنے کے بعد علامہ ابوبکر جصاص اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

روى هشام بن	اسماء روایت کرتی ہیں کہ میری
عروة عن ابيه عن	والدہ، عہد قریش میں میرے
امه اسماء قالت اتتنی	پاس ضرورت مند بن کر آئیں،
امی فی عهد قریش	چونکہ وہ مشرکہ تھیں میں نے رسول
راغبة وهی مشركة	اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آیا

---

(۱) احکام القرآن - مطبوعہ ، ج ۱ ص ۱۶۴

فضالت النبی صلے اللہ علیہ وسلم اصلها، قال نعم(۱) | ان کی معافی جا سکتی ہے ؟ آپ نے فرمایا ۔ ہاں ، ! ،،

(۳)

انسانی خون کی عظمت

جنگ وپیکار کے وقت کمزور دل کے لوگوں میں، اپنی زندگی کا جذبہ ابھرتا ہے اور وہ محض جان بچانے کے لیے حریف غالب کا مسلک اور مذہب قبول کر لینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں ، عام طور پر ایسے لوگوں کی بات نہیں سنی جا سکتی اور انہیں بے تامل قتل کر دیا ہے۔ ۱۹۴۶ء میں جو ہندو مسلم فساد کلکتہ میں ہوا تھا اس کا یہ تاریخی واقعہ وقت کے تمام اخبارات میں شائع ہو چکا ہے کہ مسلم مچھیروں کے محلہ پر جب حملہ ہوا تو وہ بیچارے جان بچانے کے لیے ، ہندو بننے پر تیار ہو گئے ، لیکن ان کی ایک نہ سنی گئی اور قتل و نہب کا بازار گرم ہو گیا پھر ۱۹۴۷ء میں، تقسیم ہند کے بعد جب پنجاب میں خون کا ایک چھوٹا دریا بہا، تو اس طرح کے متعدد واقعات پیش آئے کہ، لوگوں نے دوسرے مذہب کا کلمہ پڑھ کر جان بچانی چاہی، لیکن سنی کی ان سنی کر دی گئی ، تلوار چلتی رہی ، نیزے اپنا کام کرتے رہے ، بلم گنڈاسے اور چاقو سینہ میں پیوست ہوتے ہوئے گردنیں کاٹتے رہے ، جسم و جان کا رشتہ منقطع کرتے رہے ، ——— !

اسلام کی نظر میں ، چونکہ انسانی خون نہایت قیمتی ہے ۔ وہ ذرا سے بہانے پر بھی تلوار میان میں کر لینے کا حکم دیتا ہے ، جنگ کے میدان میں ، عین لڑائی کے وقت اور کئی مسلمانوں کو قتل کرنے کے بعد تلوار اپنے سر پر دیکھ کر ، اگر کوئی دشمن

---

(۱) احکام القرآن ، مطبوعہ ج ۱ ص ۵۴۸

اسلام کا کلمہ پڑھ لیتا ہے، اور صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ حرکت صرف جان بچانے کے لیے کی جا رہی ہے، تب بھی اس نے زندہ رہنے کا حق حاصل کر لیا، اب اس کی جان نہیں لی جا سکتی، اب اس کا خون حرام ہے، اس کی زندگی، آبرو، مال، ہر چیز اسی طرح محفوظ ہے جس طرح ایک مسلمان کی،

علامہ جصاص نے، اپنی کتاب میں بطور نظیر، چند احادیث صحیح آیۂ کریمہ ؎

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (اے مسلمانوں جب تم اللہ کے راستہ میں جہاد کے لیے چلو، تو تحقیقات کرو، اور کسی ایسے شخص سے جو تمہیں (اسلامی) سلام کرے، یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے!)

کی تفسیر کرتے ہوئے، ذکر کی ہیں، جنہیں ہم یہاں پیش کرتے ہیں :

روی ان سبب نزول	روایت ہے کہ اس آیۂ کریمہ کا سبب
هٰذِهِ الآیة ان سریة	تنعل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
للنبی صلی الله علیه و	کا ایک سریہ ایک شخص سے ملاقی
سلم لقیت رجلا ومعه	ہوا جس کے پاس کافی مال تھا، اس
غنیمات له فقال	نے سریہ کے لوگوں کو دیکھ کر کہا، ۔
السلام علیکم لا اله	اسلام علیکم خدا کے سوا کوئی معبود
الا الله محمد رسول الله	نہیں، محمدؐ خدا کے رسول ہیں، سریہ
فقتله رجل من	کے لوگوں میں سے ایک شخص نے
القوم فلما رجعوا	اس کو قتل کر دیا جب یہ لوگ واپس
النبی ؐ بذلک	آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
فقال لم قتلته	کو یہ واقعہ بھی بتایا، آپؐ نے فرمایا

وقد اسلم؟ فقال انما
قالها متعوذا من القتل
فقال هلا شققت من
قلبه وحمل رسول الله
صلی اللہ علیه وسلم دیته
الی اهله ورد علیهم غنیمته
قال ابن عمر وعبد
اللہ بن ابی حدرد
القاتل محلم بن
جثامه قتل عامر
بن الاضبط الاشجعی
وروی ان القاتل
مات بعد ایام فلما
دفن لفظته الارض
ثلاث مرات فقال
النبی صلی الله علیه و
سلم ان الارض لتقبل
من هو شر منه ولکن
الله اراد ان یریکم
عظم الدم عنده ثم
امران یلقی علیه الحجارة

جب وہ مسلمان ہو گیا تھا، تو تم نے
اسے کیوں قتل کیا؟ جواب دیا گیا
اس شخص نے صرف، قتل سے بچنے
کے لیے کلمہ پڑھا تھا، آپؐ نے فرمایا
کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟
پھر آپؐ نے مقتول (غیر مسلم) کی
دیت اس کے ورثا کو بھجوا دی،
اور اس کا مال بھی بھجوا دیا،
ابن عمر اور عبداللہ بن ابی صدرد
کہتے ہیں کہ قاتل محلم بن جثامہ تھے
اور مقتول عامر بن اشجعی
روایت ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد
جب قاتل کا انتقال ہو گیا، اور
اسے دفن کیا گیا، تو زمین نے لاش
پھینک دی، تین مرتبہ ایسا ہی ہوا
اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
زمین اس سے بدتر آدمی کو بھی قبول کر
لیتی ہے لیکن اللہ کو یہ منظور تھا کہ
تم لوگوں کو انسانی خون کی گراں مائگی
کا احساس دلائے، پھر آپؐ نے
حکم دیا کہ قاتل کی لاش پر پتھر ڈال

وهذه القصة مشهورة لمحلم بن جثامة

دے جائیں، یہ قصہ محلم بن جثامہ کا بہت مشہور ہے،

وقد ذكرنا حديث اسامة بن زيد انه في رجلا قال لا اله الا الله فقال النبي صلى الله عليه وسلم قتلته بعد ما قال لا اله فقال انها قالها تعوذا فقال هلا شققت عن قلبه من لك بلا اله الا الله ؟

ایک موقعہ پر ہم اسامہ بن زید کی حدیث کا ذکر کر چکے ہیں کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جس نے کلمہ پڑھ لیا تھا، آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا، تم نے اس شخص کو قتل کر دیا، جس نے کلمہ پڑھ لیا تھا، جواب دیا گیا، یہ تو اس نے محض اپنی جان بچانے کے لیے کیا تھا، آپؐ نے فرمایا،

"کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟"

وذكرنا ايضا حديث عقبه بن مالك الليثي في هذه المعنى وان الرجل قال انى مسلم فقتله فانكره النبي وقال الله ابى على ان اقتل مؤمنا (۱)

اسی طرح کی ایک حدیث عقبہ بن مالک لیثی کی ہے کہ ایک آدمی نے کہا،

"میں مسلمان ہوں"!

آنحضرتؐ کو یہ بات ناگوار گذری، آپؐ نے فرمایا، خدا نے مجھے اسکی اجازت نہیں دی ہے کہ میں مسلمان کو قتل کروں،

---

(۱) احکام القرآن مطبوعہ مصر، ج ۲ ص ۳۰۱

ان احادیث سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ انسان کا خون اسلام کے داعی کی نظر میں کتنا گراں مایہ تھا، فران الفاظ پر غور فرمایئے کہ جب مسلمان قاتل مرا اور اس کی لاش زمین نے واپس پھینک دی تو آپ نے فرمایا،

"زمین اس سے زیادہ برُے آدمی کو قبول کر لیتی ہے، لیکن اللہ تعالےٰ تمہیں یہ دکھانا چاہتا تھا کہ اس کی نظر میں (انسان کے) خون کی عظمت کیا ہے"

یہ رواداری کی اتنی بڑی اور شاندار مثال ہے، جو تا قیام قیامت، دنیا کے لیۓ لائق تقلید بنی رہے گی،!

ایک اور ثبوت

اب ذیل میں ایک اور حدیث نبوی پیش کرتے ہیں، جو انسانی خون کی عظمت کا ایک اور ثبوت ہے،

حدثنا محمد بن بکر قال
حدثنا ابو داؤد قال حدثنا
قتيبة بن سعيد قال
حدثنا الليث عن ابن شهاب
عن عطاء بن يزيد الليثي
عن عبيد الله بن عدی
بن الخيار عن المقداد
بن الاسود انه اخبره انه
قال يا رسول الله ارأيت
ان لقيت رجلا من الكفار
فقاتلني فضرب

محمد بن بکر ابو داؤد سے، وہ قتیبہ بن سعید سے، وہ لیث سے، وہ ابن شہاب سے، وہ عطا بن یزید لیثی سے، وہ عبید اللہ بن عدی بن خیار سے، وہ مقداد بن اسعد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ؐ سے عرض کیا، یا رسول اللہ اگر میری کسی ایسے کافر سے مڈبھیڑ ہوا، جو مجھ سے مقاتلہ کرنے اور لڑتے ہوئے میرا ایک ہاتھ اپنی تلوار سے کاٹ دے پھر وہ ایک درخت کے نیچے میرے قابو میں آجائے اور کلمہ پڑھ لے، تو کیا

احدی یدی بالسیف ثم لاذ منی بشجرۃ فقال اسلمت للہ افاقتلہ یا رسول اللہ بعد ان قالہا؟ قال رسول اللہؐ لا تقتلہ فقلت یا رسول اللہ انہ قطع یدی قال لا تقتلہ فان قتلتہ فانہ بمنزلتک قبل ان تقتلہ وانت بمنزلتہ قبل ان یقول کلمتہ التی قال (۱)

یا رسول اللہ یہ کلمہ سننے کے بعد میں اسے قتل کر دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اسے قتل مت کرو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے میرا ہاتھ کاٹ ڈالا آپؐ نے فرمایا، مت قتل کرو، اگر تم نے اسے قتل کر دیا، تو وہ ایسا بن جائے گا جیسے تم اس کے قتل کرنے سے پہلے تھے، اور تم ویسے بن جاؤ گے جیسا وہ کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا،

کیا اس واضح تر وضاحت کے بعد بھی کسی وضاحت، کسی تشریح، کسی سوال کی ضرورت رہ جاتی ہے؟

یہ علم اور تحقیق کا دور ہے، دنیا کا ہر مذہب ہمارے سامنے موجود ہے، اس کی تعلیمات وہدایات موجود ہیں، اس کی تشریحی اور تفسیری کتابیں موجود ہیں، کیا کسی مذہب کی کتابوں سے بھی یہ رواداری، یہ وسعت قلب یہ حسن وسلوک، اور غیر مذہب لوگوں کے ساتھ اس کی لطف اور مہربانی کی کوئی مثال دستیاب ہو سکتی ہے؟

تنگ خیالوں کی وسعت قلب

ایک بات عام طور پر یہ بھی کہی جاتی ہے کہ اسلام تو واقعی بڑا روادار ہے لیکن علمائے اسلام نے اسے تنگ اور غیر مسلموں کے لیے باعث تکلیف بنا دیا ہے

---

(۱) احکام القرآن مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۳۰۱

یہ دعویٰ اپنے ساتھ کوئی دلیل نہیں رکھتا، اسلام کی تاریخ صرف ملوک و سلاطین کی تاریخ نہیں ہے، علمائے حق اور اصحاب دعوت وعزیمت کی بھی سبق آموز اور لرزہ خیز تاریخ ہے، اور اس تاریخ کے مختلف پہلو حسب موقع پیش کریں گے، لیکن اس موقع پر ایک تنقید کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

کتب علیکم القصاص فی القتلی کی تفسیر میں، یہ بیان کرنے کے بعد کہ ذمی (کافر) کے بدلہ میں مسلمان قتل کر دیا جائے گا، ابوبکر جصاص نے فقہا کو بھی اپنی تائید میں پیش کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں ر

قال ابوحنیفه وابو یوسف	ابوحنیفہ، ابویوسف وزفر و بن ابی لیلیٰ
وزفر وابن ابی یعلی وعثمان	اور عثمان کا قول ہے کہ مسلمان ذمی کے بدلہ
البتی یقتل المسلم بالذمی	میں قتل کر دیا جائے گا۔
ـــــــ وقال مالک	مالک، اور لیث بن سعد کہتے ہیں اگر
واللیث بن سعد ان قتله غیلة	ذمی کو کسی مسلمان نے دھوکہ سے قتل کیا
قتل به والا لم یقتل (۱)	ہے تو وہ قتل کیا جائے گا۔ ورنہ نہیں، !

لفظ "غیلہ" (فریب اور دھوکا) پر بحث وگفتگو کرنے کے بعد، علامۂ ابوبکر جصاص اپنی مشہور اور یگانہ روزگار تفسیر میں اس خیال پر، بڑی سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے، تند اور سخت لہجہ میں فرماتے ہیں:

واما قول مالك والليث	لیکن مالک، اور لیث کے قول کی بنیاد
فی قتل الغیلة فانهما	یہ ہے کہ وہ ذمی کے بدلہ میں مسلمان کا قتل
یریان ذلک حدًا لا قودًا	بصورت حد جائز سمجھتے ہیں، نہ خون بہا کے

---

(۱) احکام القرآن، مطبوعہ مصر، ج ۱ ص ۱۶۲

والآیات التی فیہا ذکر القتل لم تفرق بین قتل الفیلۃ وغیرہ وکذلك السنن التی ذکرنا وعمومہا یوجب القتل علی وجہ القصاص لا علی وجہ الحد (۱)

کے طور پر حالانکہ جن آیات میں قتل کا ذکر ہے ان میں اس طرح کی کوئی تفریق نہیں ہے، اس طرح احادیث میں عمومی ذکر ہے، جس سے قتل مسلم، ذمی کے بدلہ میں علی وجہ القصاص ثابت ہے نہ کہ علی وجہ الحد، ا

"الحد"!

"قصاص" اور "حد" کا فرق یوں سمجھئے کہ "حد" تو ایک قسم کی تعزیر ہے، جو کسی قانون شکنی پر ملتی ہے، یا امن و امان میں خلل اندازی کے باعث دی جاتی ہے اور قصاص ہے — خون کا بدلہ خون"! "

مرتد کی وراثت!

مرتد کا مسئلہ فقہ اسلامی کا بڑا مہتم بالشان اور معرکہ آرا مسئلہ ہے، اس مسئلہ پر ہم گفتگو کر چکے ہیں جہاں اسلام میں، مرتد اور غدار کے قتل پر دلائل پیش کیے ہیں، لیکن ان تمام مباحث سے قطع نظر یہ تو طے شدہ ہے کہ مرتد اور غدار کے بعد، مسلمان نہیں رہتا، وہ نہ صرف اسلام سے مرتد ہو چکا ہوتا ہے بلکہ اسلامی سماج کا باغی بھی بن چکا ہوتا ہے، آیئے دیکھیں، مرتد کے ورثہ کے بارے میں فقہ اسلامی کیا کہتی ہے؟ ایک عام مسلک تو اس سلسلہ میں وہی ہے، کہ مرتد کے ورثہ میں مسلمان، اور مسلمان کے ورثہ میں مرتد نہیں شریک ہو سکتا، دوسرا مسلک یہ ہے کہ، حالت اسلام میں اس نے جو جائداد پیدا کی تھی اس کا وارث مسلمان ہو سکتا ہے، لیکن فقہائے اسلام کا ایک سر بر آوردہ اور باوقار طبقہ یہ بھی کہتا ہے کہ:

---

(۱) احکام القرآن، مطبوعہ مصر، ج ۱ ص ۱۶۱

قال ربيعة بن عبد العزيز وابن ليلى ومالك والشافعي ميراثه لبيت المال وقال قتادة وسعيد بن عروبة ان كان له ورثة على دينه الذى ارتد اليه فميراثه لهم دون ورثته من المسلمين (۱)

ربیعہ بن عبد العزیز اور ابن ابی لیلیٰ اور مالک اور شافعی کا قول ہے کہ مرتد کی میراث بیت المال میں داخل کر دی جائے گی، قتادہ اور سلام بن ابی عروبہ کہتے ہیں اگر اس کے ورثا اس دین کے پیرو ہوں جو اس نے ارتداد کے بعد اختیار کر لیا ہے، تو اس کی وراثت ان غیر مسلم ورثا کو دے دی جائے گی، اور جو مسلمان اس مرتد کے وارث ہونگے انہیں وراثت نہیں ملے گی ۔

کیا رواداری کی یہ مثال ہر اعتبار سے یکتا اور منفرد نہیں ہے ؟

مرتد کی توبہ

فقہ اسلامی، کافر مشرک کے ساتھ جتنی زیادہ سے زیادہ مراعات کرتی ہے مرتد کے ساتھ اس کا رویّہ اتنا ہی سخت ہے، اور جو لوگ اسلام میں ارتداد کے وہی معنی لیتے ہیں جو ایک فوجی سپاہی کی بغاوت کے ہوتے ہیں، وہ اس تشدد میں حق بجانب بھی ہیں لیکن بایں ہمہ، فقہ کے اندر بھی، مرتد کے سلسلہ میں ایسی جھلک نظر آتی ہے، جو اس حقیقت کی مظہر ہے کہ، اس کو زیادہ سے زیادہ موقع دینا چاہیے ۔ اگرچہ اسلام و ارتداد کو وہ بار بار کیوں نہ اختیار کرے ،

قال الحسن بن صالح

حسن بن صالح کا قول ہے کہ مرتد کو توبہ

(۱) احکام القرآن، مطبوعہ مصر ج ۲ ص۱۲۴

یستتاب المرتد وان تاب مائۃ مرۃ (۱) کا موقع دینا چاہیے، اگرچہ یہ موقعہ سو مرتبہ کیوں نہ پیش آئے۔

اس سے ضمنی طور پر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ، اگر نفس ارتداد موجب قتل ہوتا تو پھر بار بار، "توبہ" کا موقع کیونکر دیا جا سکتا تھا؟ اور وہ بھی اس کثرت اور مبالغہ کے ساتھ کہ خواہ اس کی تعداد سو تک کیوں نہ پہنچ جائے؟ پر امن اور غیر فساد انگیز، ارتداد کی سزا بھی اگر قتل ہوتی تو پھر ایک سے زائد بار توبہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا، جہاں پہلی مرتبہ کی توبہ ٹوٹی، حکم قصاص جاری ہوا، لیکن ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے، اسلام نے جن مرتدوں کے لیے قتل کی سزا تجویز کی ہے وہ درحقیقت مفسدین کے لیے کی ہے، جیسا کہ آگے چل کر ہم اس مسئلہ پر گفتگو کر کے اہم ترین واقعات دلیل میں پیش کریں گے، اسلام کی یہی وہ رواداری تھی جس نے دنیا کو جہالت کی تاریکی سے علم کی روشنی میں لا کھڑا کیا۔ اور ایک غیر مسلم مورخ بے ساختہ پکار اٹھا، !

اس زمانہ میں جب کہ عرب علما ارسطو کا مطالعہ کر رہا ہے، یورپ میں شارلمین اور اس کے امراء اپنے نام کے ہجے سیکھ رہے تھے ایک اسلامی شہر قرطبہ ہی میں سترہ بڑے کتب خانے تھے، ان میں سے ایک کتب خانے میں چار لاکھ سے زیادہ کتابیں تھیں ایسے زمانہ میں جبکہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے عالم غسل کرنے کو بے دینوں کی رسم جانتے تھے، اس قرطبہ کے مسلمان سائنسدان پر تکلف اور نزہت بیز حماموں سے لطف اندوز ہوتے تھے،

---

(۱) احکام القرآن، مطبوعہ مصر، ج ۲ صفحہ ۳۵۰

یہود سے معاہدہ

اسلام اپنے "کیریکٹر" کے اعتبار سے، عجیب و غریب دین ہے، وہ کبھی اور کسی حالت میں بھی انسان کا استخفاف نہیں کرتا، وہ ہر شخص سے بھلائی کی توقع رکھتا ہے، وہ قومیت اور مذہب کی بنیاد پر، کسی جماعت، کسی گروہ، یا کسی فرد کو ناقابل اعتبار نہیں سمجھتا، وہ اپنا دست تعاون ہر طرف بڑھاتا ہے وہ امن و سلامتی کا مذہب ہے، صلح سلام کی دعوت ہر گوشہ پہنچاتا ہے، وہ کسی معاملہ میں بھی جبر و جور کا قائل نہیں ہے، وہ ہر مسئلہ، امن و آشتی سے حل کرنا چاہتا ہے۔

ذرا تصور کیجیئے مکہ میں اسلام کا جواب، انکار، طغیان، تمرّد، سرکشی اور بیہودگی سے دیا جاتا ہے حالات زیادہ سے زیادہ نازک اور ناقابل برداشت ہو جاتے ہیں، اسلام کے پرستاروں کے لیے اپنے وطن میں رہنا اور زندگی بسر کرنا دو بھر ہو جاتا ہے آخر وہ ترک وطن (ہجرت) کا فیصلہ کرتے ہیں، اور ایک نئے شہر (مدینہ) میں پہونچتے ہیں، یہاں مشرکین مکہ سے زیادہ سرگرم اور پرخروش دشمن، یہودی اور نصرانی موجود ہیں، یہ بدزبان ہیں، عہد شکن ہیں، تعلیمات اسلام کے بدترین مخالف ہیں، لیکن اسلام کا داعی ان کی طرف بھی صلح و سلام کا ہاتھ بڑھاتا ہے، ان کی انسانیت پر بھروسہ کرتا ہے، اور ان سے ایک معاہدہ کر لیتا ہے اس معاہدہ میں اختلاف عقائد کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی، جتنی امن و آشتی کے ساتھ مل جل کر رہنے، ایک دوسرے کی دستگیری کرنے، اور باہمی اعتماد کی فضا پیدا کرنے کی سعی کی جاتی ہے، پورا معاہدہ تو خاصا طویل ہے، اس کے چند اہم ترین حصے یہ ہیں:-

(۱) وان یہود بنی عوف امۃ — کہ یہ سب لوگ ایک ہی قوم سمجھے جائیں گے

	مع المؤمنين	بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہیں ۔
	ث	
(۲)	وانّ بينهم النّصر على من حارب هذه الصحيفة	اور اگر کوئی اس معاہدہ کرنے والی قوموں مسلمان اور یہودیوں کے ساتھ جنگ کریگا تو انکے خلاف سب کے سب مل کر کام کریں گے ۔
(۳)	وان بينهم النّصح والنّصيحة والبرّ دون الاثم	معاہدہ اقوام کے باہمی تعلقات باہمی خیر خواہی خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کے ہوں گے۔ ضرر اور گناہ کے نہ ہوں گے ۔
(۴)	وانّ اليهود ينفقون مع المؤمنين ما داموا محاربين	جنگ کے دنوں میں یہودی مسلمانوں کے ساتھ مصارف میں شامل رہیں گے ۔
(۵)	وان بطانة يهود كانفسهم	یہودیوں کے دوستدار قوموں کے حقوق یہودیوں کے برابر سمجھے جائیں گے ۔
(۶)	وانه لم يأثم امرء بحليفه	کوئی شخص اپنے معاہد کے ساتھ مخالفانہ کارروائی نہ کرے گا ۔
(۷)	وان النّصر للمظلوم	مظلوم کی مدد و نصرت کی جائے گی ۔
(۸)	وانه ما كان بين اهل هذه الصحيفة من حدث او اشتجار يخاف فساده فان مردّه الى الله عزّوجلّ والى محمد رسول الله (۱)	اس معاہدے کی قوموں کے اندر اگر کوئی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے جس میں فساد کا خوف ہو تو اس کا فیصلہ خدا اور اس کے رسول محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سمجھا جائے ۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام جلد اول ص۱۷۸

معاہدہ کی ان دفعات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام، اپنے مخالفوں اور دشمنوں تک سے باہمی صلاح وفلاح کا معاہدہ کرنے کو تیار رہتا ہے، وہ کم سے کم چیزیں جن پر باہمی اتفاق ہو جائے معاہدہ کی اساس وبنیاد قرار دی جا سکتی ہیں بشرطیکہ اصول پر حرف نہ آتا ہو، مثلاً ہر حالت، مظلوم کی مدد کی جائے گی، خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اور تعاون کا مدار، خیر سگالی اور خیر خواہی پر ہوگا، گناہ اور ضرر کے کاموں پر نہیں،،!

عیسائیوں سے معاہدہ

یہود سے باہمی خیر سگالی، اور خیر خواہی، اور تعاون کا جو معاہدہ ظاہر ہے ہوا تھا۔ وہ اس وقت ہوا تھا، جب مسلمان کمزور تھے، ان میں مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں تھی، وہ ناساعد حالات سے تنگ آکر ترک وطن، یعنی ہجرت پر مجبور ہو گئے تھے، لیکن نجران کے عیسائیوں سے آپ نے جو معاہدہ کیا، وہ اس وقت جب مسلمانوں کے ہاتھ میں اقتدار واجتہاد تھا، زمام کار، اور عنان حکومت تھی، مخالف رو پوش ہو چکے تھے، دشمن پسپا ہو چکے تھے، کامیابی اور کامرانی کا دور شروع ہو چکا تھا، فتوحات کا سلسلہ جاری تھا، ایسے ہی مواقع پر ظلم کا دروازہ کھلتا ہے، طاقتور، کمزور کو صرف اپنا باج گزار اور ماتحت بنانے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اسے ہر طرح سے کچل دیتا ہے، صرف اس کی آزادی ہی نہیں چھینتا، فکر وخیال اور عقیدہ کی آزادی بھی سلب کر لیتا ہے، دُنیا کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے، لیکن اسلام کا داعی م آزادی فکر وخیال کا "چارٹر" ان الفاظ میں عطا کرتا ہے: ——

بسم الله الرحمٰن الرحيم	"یہ تحریر محمد نبی صلعم کی جانب سے ہے ۔
من محمد النبي الى الاسقف	اسقف ابوالحارث کے لیے نجران کے دیگر اسقفوں
الحارث واساقفة نجران	کاہنوں راہبوں ان کے مقتدوں۔ غلاموں

وكهنتهم ورهبانهم
واهل بيتهم وبيعهم
وملّتهم وسواطبتهم و
على كلّ ما تحت ايديهم
من قليل او كثير جوار الله و
رسوله لا يغير اسقف من سقفية
ولا راهب من رهبانيّة ولا كاهن
من كهنانية ولا يغيّر حقّ من حقوقهم
ولا سلطانهم ولا مما كانوا عليه على ذلك
جوار الله و رسوله ابداً ما نصحوا واصلحوا عليهم غير متقلين بظالم ولا ظالمين كتب المغيرة
بن شبة،

اس مذہب والوں، پولیس والوں کے متعلق
اور ان کی کم یا زیادہ چیزوں کے متعلق جو
ان کے ہاتھ میں ہیں۔ سب کو خدا اور رسول
کی حفاظت حاصل ہوگی گرجا کے چھوٹے بڑے
عہدہ داروں میں سے کسی کو بدلا نہ جائے گا،
کسی کے حق میں یا اختیارات میں مداخلت نہ
کی جائے گی۔ ان کی موجودہ حالت میں تغیر
نہ ہوگا۔ بشرطیکہ رعایا کے خیر خواہ اور خیر
اندیش رہیں نہ ظالم کا ساتھ دیں اور نہ خود ظلم کریں۔

اس آخری شرط پر غور کیجیے اور ظلم کا ساتھ نہ دیں، اور خود ظلم نہ کریں، کیا شرف انسانیت کے حفظ و بقا کے لیے، اس کے سوا کوئی اور شرط بھی ہو سکتی ہے؟

مزید تصریح

معاہد ملکوں سے زبردست اور باجبروت قوموں کی ایک شرط یہ بھی ہوتی ہے کہ جب حالات اور "مصالح کا تقاضہ ہوگا ہماری فوجیں تمہاری زمین سے گذریں گی، اور تم انہیں گذرنے کی اجازت دوگے، برطانیہ اور مصر کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا، اور جس کے ماتحت برطانیہ نے سوئز کے علاقہ سے اپنی فوجیں منتقل کرکے قبرص روانہ کردی تھیں، اس معاہدہ کی ایک اہم شرط یہ بھی تھی کہ اگر عالمی جنگ چھڑی۔ اور برطانیہ نے ضرورت محسوس کی تو پھر اس کی فوجیں دوبارہ سوئز کے علاقہ میں بود و باش اختیار کر لیں گی، اور مصر نے طوعاً کرھاً اس پر دستخط بھی کر دیے تھے، اور شرط کا کیا سوال ہے، طاقتور ممالک، بغیر شرط کے ہی یہ حق حاصل کر لیتے ہیں، آخر

ہنگری میں روس کی فوجیں کس طرح داخل ہوئیں؟ لیکن اسلام کا داعی، اپنے مفتوحوں اور زیردستوں سے اس طرح کی کوئی شرط نہیں کرتا، معاہدہ نجران کا ایک اہم ٹکڑا:-

لنجران جوار اللہ و ذمۃ محمد النبی صلے اللہ علیہ وسلم علی انفسہم وملتہم و ارضہم واموالہم وغائبہم وشاہدہم وعشیرتہم وتبعہم وان لا یغیر ولما کانوا علیہ ولا یغیر کلما تحت ایدھم من قلیل اوکثیر ولیس علیہم ربیۃ ولا دم جاھلیۃ ولا یحشرون ولا یعشرون ولا یطاء ارضہم الجیش الخ	نجران والوں کو خدا اور محمدؐ رسول اللہ کی حفاظت حاصل ہوگی۔ جان اور مذہب اور زمین اور جائداد کے متعلق ان سب کو جو حاضر یا غائب ہیں۔ صاحب قبیلہ ہیں یا اتباع کرنے والے ہیں۔ ان کی حالت میں اور حقوق میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا اور جو کچھ کم یا زیادہ ان کے قبضہ میں ہے اسے بدلا نہ جائے گا۔ پچھلے زمانے کی شہادت یا قتل کے جھگڑے ان پر نہ چلائے جائیں گے وہ بیگار میں نہ پکڑے جائیں گے۔ ان سے نہ کوئی محصول لیا جائیگا، ان کے علاقہ سے فوج عبور نہ کرے گی۔

زمانۂ ماضی کے جرائم

اس معاہدہ میں آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے، ان دشمن اسلام عیسائیوں کو اپنے ذمہ اور حفاظت میں لینے کے بعد، ان کے خطاکاروں کو یہ اطمینان بھی دے دیا تھا کہ،

"گذشتہ زمانہ کی شہادت یا قتل کے جھگڑے ان پر نہ چلائے جائیں گے۔!"

یعنی معاہدہ سے قبل کی غلطیوں اور خطا کاریوں پر وہ ماخوذ نہیں کیے جایئں اور مستحق تعزیر و عقوبت نہیں قرار دیئے جایئں گے۔

یہ واقعہ ہے آج سے چودہ سو سال پہلے کا، جب دنیا انسانی حقوق اور ان کے احترام و اعتراف سے کچھ زیادہ واقف نہ تھی، لیکن عہد جدید تو انسانی عظمت کا عہد ہے، اس عہد کا، یعنی آج سے صرف ۹ سال پہلے کا یہ واقعہ کسے معلوم نہیں کہ جب بھارت اور ہندوستان کی تقسیم عمل میں آئی، تو دونوں حکومتوں نے معاہدہ کیا تھا، کہ تقسیم سے پہلے کی خطا کاریوں پر، حکومت ہند، مسلم لیگ کے ہندوستانی کارکنوں کو، اور پاکستان کی حکومت کانگرس کے پاکستانی کارکنوں کو ماخوذ نہیں کرے گی، لیکن کیا اس پر عمل ہوا؟ راقم الحروف تقسیم ہند کے بعد ہندوستان ہی کا ایک شہری تھا، لیکن حکومت بمبئی کے محکمہ داخلہ کی طرف سے، اُن مقالات افتتاحیہ کے خلاف مسلسل بازپرس، اور تہدید کا سلسلہ جاری رہا، جو اس نے تقسیم سے پہلے پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت میں لکھے تھے، اور بالآخر اسے ترک وطن کرکے پاکستان آجانا پڑا، یہ ایک ہی مثال نہیں ہے۔ اس طرح کے ان گنت واقعات ہوئے، بلکہ اب تک ان کا سلسلہ جاری رہا، اور یہی وجہ ہے کہ اب تک ہندوستان کے مسلمان، جوق در جوق، ترک وطن پر مجبور ہو رہے ہیں، ——

آج سے ۱۴ سو برس پہلے کی تہذیب، اور آج کی تہذیب میں کتنا بڑا فرق ہے، یہ فرق درحقیقت کفر اور اسلام کا فرق ہے، کفر فراخ حوصلہ ہو ہی نہیں سکتا، اور اسلام کی سرشت ہی فراخ حوصلگی اور رواداری ہے،

معاہدۂ نجران کے چند اہم نکتے

معاہدۂ نجران کے چند پہلوؤں پر ہم گفتگو کر چکے ہیں، لیکن بعض پہلو ابھی تک زیر بحث نہیں آسکے، یہ معاہدہ اپنی اہمیت کے اعتبار سے اس کا مستحق ہے

کہ اس سلسلہ میں بحث و نظر کا کوئی گوشہ ترک نہ کیا جائے۔ چنانچہ ہم فتوح البلدان (بلاذری) سے اس معاہدہ کا متن لے کر ذیل میں درج کرتے ہیں مختلف مقامات پر، ہم نے نمبر لگا دیئے ہیں، تاکہ ان کے حوالہ سے ہم زیر بحث نکات پر بحث کر سکیں :—

معاہدہ کا متن

مجھ سے حدیث بیان کی الحسین نے، اور انہوں نے کہا مجھ سے حدیث بیان کی یحییٰ بن آدم نے۔ کہ :- میں نے ایک شخص سے اس تحریر کی نقل حاصل کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو عطا فرمائی تھی اور اس نے یہ نقل الحسن بن صالح سے حاصل کی تھی، اور وہ یہ ہے کہ :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ تحریر ہے جو اللہ کے رسول محمدؐ نے اہل نجران کے لیے لکھی۔ اگرچہ اسے ان کے پھلوں اور سونے چاندی اور لوہے (یعنی اسلحہ)، اور غلاموں میں سے حصہ لینے کی قدرت تھی۔ مگر اس نے ان کے ساتھ حوصلہ مندی برتی، اور سب کچھ چھوڑ کر ان پر ایک ایک اوقیہ کے دو ہزار حلے مقرر کیے : ایک ہزار رجب میں اور ایک ہزار صفر میں۔ ہر حلہ ایک اوقیہ کا ہو گا، اور جو اس سے کم زیادہ کا ہوگا وہ محسوب کر لیا جائے گا۔

اگر وہ حلوں کے عوض زرہیں یا گھوڑوں یا سواری کے اونٹوں کی قسم سے کچھ دیں گے (قیمت کے) حساب سے اس کو بھی قبول کر لیا جائے گا۔

نجران پر میرے فرستادوں کی مہانداری مہینہ بھر کے لیے یا اس سے کم کے لیے لازم ہوگی۔ لیکن اس سے زیادہ ٹھہرنے کے لیے وہ انہیں

نہ روکیں۔

اگر الیمن میں غدر ہوگا (یعنی اگر اہل الیمن کی بغاوت کی وجہ سے جنگ کرنی پڑے گی)، تو تمہیں تیس ۳۰ زرہیں اور تیس گھوڑے اور تیس ۳۰ اونٹ عاریۃً دینے ہوں گے ان میں سے جو جانور مریں گے، میرے فرستادے ان کے ضامن ہوں گے اور تمہیں ان کا بدل دیں گے۔

نجران اور اس کے حاشیہ کے باشندوں کی جانیں ان کی ملت، ان کی زمین، ان کی جائدادیں، ان کے حاضر و غائب، ان کے جانور ان کے قاصد، اور ان کی تصویریں اللہ کی امان اور محمد النبی (صلعم) اللہ کے رسول کی ضمانت میں ہیں، نہ تمہاری موجودہ حالت میں تغیر کیا جائے گا نہ تمہارے حقوق میں دست اندازی کی جائے گی اور نہ تمہاری مورتیں مسخ کی جائیں گی۔ کوئی اسقف، اسقفیت سے اور کوئی راہب، رہبانیت سے اور کوئی واقہ وقاہیت سے نہیں ہٹایا جائے گا، خواہ جو کچھ اس کے تحت میں ہو وہ کم ہو یا زیادہ۔

تم سے جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا، نہ فوجی خدمت پر بلایا جائے گا، نہ تم پر کوئی عشر لگایا جائے گا اور کوئی لشکر تمہاری زمین پامال کرے گا۔

اگر تم سے کوئی اپنا حق مانگے گا، تو دونوں کے درمیان انصاف کیا جائے گا اور نہ تمہیں ظلم کرنے دیا جائے گا۔

تم میں سے جس نے اس سے پہلے سود کھایا ہے، وہ میری ضمانت سے خارج ہے۔

تم میں سے کوئی، دوسرے کے گناہ میں نہیں پکڑا جائے گا۔

اس صحیفہ میں جو کچھ ہے اس کے لیے اللہ کی امان اور محمد النبی کا ذمہ ہے، حتیٰ کہ اس بارے میں کوئی حکم الٰہی ہو،

گواہ شد:۔ ابو سفیان بن حرب، غیلان بن عمرو۔ مالک بن عوف، یکے از بنی نصر۔ الافراع بن حابس الحنظلی۔ المغیرہ۔ "۱"

قابل غور نکتے

متن کے مختلف مقامات پر ہم نے جو نکتے لگائے تھے، اب ہم سلسلہ وار ان پر گفتگو کریں گے۔

"۱"

زیادہ سے زیادہ رعایت

معاہدہ میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ، اگرچہ، نجران کے یہ عیسائی، وقت کے مروجہ آئین و دستور کے مطابق اس کے مستحق تھے کہ ان کے پھلوں اور کھیتوں پر قبضہ کر لیا جاتا، سونے اور چاندی کے ذخیرے ضبط کر لیے جاتے، ان کے اسلحہ اور سازو سامان جنگ میں سے کوئی چیز ان کے پاس نہ چھوڑی جاتی۔ ان کے مردوں کو غلام، اور عورتوں کو کنیز بنا لیا جاتا، اور یہ سب کچھ کرنے کی داعیٔ اسلام کو قدرت بھی تھی، لیکن ایسا نہیں کیا گیا، ان کے ساتھ رواداری برتی گئی، حسن سلوک کا مظاہرہ کیا گیا، ان کے پھلوں اور کھیتوں کو، ان کے سونے اور چاندی کو، ان کے اسلحہ اور سازو سامان جنگ کو ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا، نہ ان کا کوئی مرد غلام بنایا گیا، نہ کوئی عورت لونڈی بنائی گئی، جو کچھ ان کے پاس تھا، وہ انہی کا رہا، انہیں

"۱" فتوح البلدان اول، ص ۱۰۵، ۱۰۳

اسلام کی حفاظت اور ذمہ میں لے لیا گیا، ان کے جان و مال کے تحفظ کی ضمانت دے دی گئی، ان پر برائے نام ٹیکس عائد کیا گیا، اور اس سلسلہ میں بھی زیادہ سے زیادہ امکانی سہولتیں عطا کی گئیں،

(۲)

متبادل سہولتیں

سب سے بڑی آسانی تو یہ دی گئی کہ جو ٹیکس لگایا گیا۔ وہ محض برائے نام تھا، پھر یہ سہولت دی گئی کہ اگر اس کی تعمیل بھی کسی موقعہ پر ممکن نہ ہو تو وہ اپنی صواب دید پر، زرہیں، گھوڑے، یا اونٹ دے سکتے ہیں، نہ صرف یہ کہ جو کچھ وہ متبادل طور پر دیں گے قبول کر دیا جائے گا، بلکہ قیمت کا بھی لحاظ رکھا جائے گا، یعنی متبادل طور پر جو چیز انہوں نے دی، وہ اگر قیمت کے اعتبار سے زیادہ ہے، تو یہ زیادتی حساب میں محسوب کر لی جائے گی،

(۳)

تحفہ نہیں عاریت

پہلے بھی یہ ہوتا تھا، اور اب بھی ساری دُنیا کی مہذب قوموں کا یہ دستور ہے کہ جب کسی بالا دست قوم کی دوسری قوم سے جنگ شروع ہوتی ہے، تو اس کی زیردست قومیں، تحفے بالکل نذر عقیدت کے طور پر اپنے تمام وسائل وذرائع اسے سونپ دیتی ہیں، پہلی اور دوسری عالمگیر جنگ میں، جب برطانیہ نے جرمنی اور ترکی سے جنگ چھیڑی، تو ہندوستان کے تمام والیان ریاست نے اپنے تمام وسائل و ذرائع پوری سعادت مندی کے ساتھ اسے سونپ دیئے، ترکی ایک مسلمان ملک تھا، وہاں خلافت اسلامیہ کا چراغ ٹمٹما رہا تھا، اور امیرالمومنین اور خلیفۃ المسلمین وہیں مسند آرائے خلافت تھے، لیکن نظام دکن، والی بھوپال

نواب رامپور، جیسے مسلمان والیان ریاست، نے، ترکوں اور خلیفہ المسلمین کے خلاف، اپنی فوجیں بھیجیں، روپیہ دیا، اور تمام وسائل و ذرائع سونپ دیئے اور اگر یہ ایسا نہ کرتے تو ان کی خیر نہ تھی، برطانوی حکومت جور اور زور کے بل پر، سب کچھ لے لیتی،

یمن کی طرف سے جنگ کا اندیشہ تھا، اس اندیشہ کے پیش نظر، داعیٔ اسلام نے نجران کے عیسائیوں سے یہ شرط کرلی کہ اگر اس اندیشہ نے واقعہ کی صورت اختیار کر لی، وہاں بغاوت پھوٹ پڑی، اور اسلامی فوجوں کو اس طرف کوچ کرنا پڑا تو نجران کے عیسائی، بطور اظہار خیر سگالی کے

" ۳۰ زرہیں، ۳۰ گھوڑے، اور ۳۰ اونٹ "

دیں گے،!

ایک جنگ میں، ۳۰ زرہوں، ۳۰ گھوڑوں، ۳۰ اونٹوں کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے، یہ تعداد خود بتا رہی ہے کہ مطالبہ، صرف، خیر سگالی کا ثبوت طلب کرنے کے لیے ہے، لیکن یہ معمولی مطالبہ بھی مستقل نہیں ہے، نجران کے عیسائی جو کچھ حسب معاہدہ دیں گے اس کی حیثیت، خراج، کی نہیں، ہدیہ یا تحفہ کی نہیں ہوگی، وہ ایک مستعار چیز ہوگی، جو اختتام جنگ کے بعد واپس کر دی جائے گی، پھر یہ اطمینان بھی دیا جاتا ہے کہ دوران جنگ میں جو زرہیں ناکارہ ہو جائیں گی، جو گھوڑے زخمی ہو جائیں گے جو اونٹ مر جائیں گے۔ ان کا نعم البدل بھی، نجران کے ان عیسائیوں کو دیا جائے گا "حساب دوستاں در دل" کے ذیل میں ان چیزوں کا شمار نہیں ہوگا، کیا آج بھی کوئی بالا دست قوت کسی زیر دست قوت سے اس طرح کا مطالبہ کر سکتی ہے؟ کیا آج بھی دوستانہ معاہدوں کے ساتھ، "ہوائی اڈوں" کی سہولتیں نہیں حاصل کی جاتیں؟

(۴)

معاہدہ میں صاف اور واضح الفاظ میں، آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ
"میرے فرستادے ان کے ضامن ہوں گے،!"

یعنی، عاریۃً جو چیزیں از روئے معاہدہ نجرانی عیسائی دیں گے۔ انہیں صحیح و سلامت واپس کرنے کی ضمانت دی جاتی ہے۔ وسعت قلب اور حوصلہ مندی کی یہ کتنی دل آویز اور شاندار مثال ہے؟

(۵)

حاشیہ سے مراد گوشہ یا ناحیہ ہے۔

و فتوح البلدان اوّل۔

(۶)

عیبر۔ یہ فقط سواری، اور باربرداری کے جانوروں کے لیے، بولا جاتا ہے اونٹ، گدھا، خچر، سب ہی اس میں شامل ہیں،

فتوح البلدان۔ اوّل فٹ نوٹ

(۷)

تصاویر کی ضمانت

اس معاہدہ کی ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ ان معاہد عیسائیوں کی!

"تصویریں اللہ کی اماں اور اللہ کے رسول کی ضمانت ہیں،!"

ظاہر ہے کہ اسلام بنیادی طور پر شرک کا مخالف ہے، اور یہ تصویریں، شرک کی تبلیغ کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں، لیکن اسلام کا ایک بنیادی اصول یہ بھی ہے کہ

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن

دین کے معاملہ میں جبر و جد روا نہیں،

وہ کسی کو جبراً عقیدہ بدلنے پر مجبور نہیں کرتا، اور جن غیر مسلموں کو وہ اپنے ذمہ میں لیتا ہے، اُنہیں ہر طرح کی آزادی دیتا ہے، چنانچہ وہ پورے اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ اپنے مشرکانہ عقاید پر قائم رہ سکتے ہیں، اور ان پر عمل کر سکتے ہیں چنانچہ غور فرمائیں، ان مشرکانہ تصویروں کو خدا کے امان، اور رسولؐ کی ضمانت معاہدہ کے بعد حاصل ہو جاتی ہے، کیا کوئی دوسرا مذہب دل وہی کی ایسی مثال اس سقف نیلگوں کے نیچے آج تک کبھی پیش کر سکا ہے، ؟

(۸)

بتوں کی حفاظت

سب جانتے ہیں اسلام کا مقصد وجود بت شکنی ہے، وہ اس لیے آیا ہے کہ ایک خدا کی پوجا ہو، اور خدائے واحد کے سوا جتنے مصنوعی خداؤں کی تصاویر، اور بتوں، اور مظاہر کی صورت میں پوجا ہوتی ہے اس کا سلسلہ بند ہو جائے، داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو، مشرکوں، عیسائیوں، اور یہودیوں کی طرف سے، جتنی ایذائیں دی گئیں، ان سب کا مقصد وحید یہ تھا کہ آپؐ توحید کی دعوت سے باز آجائیں، اور چونکہ آپ اس دعوت سے باز نہ آتے تھے اس لیے اعدا اور مخالفین کی طرف سے، اس آواز کو بند کرنے کے لیے، وہ تمام لرزہ خیز اور سفاکانہ کوششیں عمل میں لائی گئیں، جن کا تصور بھی ایک انسان کے رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی ہے، ——— !

لیکن اس کے باوجود، جب اسلام کو ان پر غلبہ حاصل ہوا۔ اقتدار اور اختیار اسلام کے ہاتھ میں آیا، تو کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا گیا، جس میں جبر و جد کا شائبہ بھی ہو، چنانچہ اس معاہدہ میں تصریح کر دی گئی کہ:

"نہ تمہارے حقوق میں دست اندازی کی جائے گی، نہ تمہاری مورتیں مسخ

کی جائیں گی،! "

گویا تمہیں اپنے حدود کے اندر بت بنانے، اور ان بتوں کو پوجنے کی پوری پوری اجازت ہوگی، تمہارے اس حق میں کوئی مداخلت نہیں کرسکے گا، حتیٰ کہ کسی کو یہ حق بھی نہیں ہوگا کہ وہ تمہاری بنائی ہوئی مورتوں کی صورت مسخ کردے یا ان کا حلیہ بگاڑ دے،

(۹)

ایک دوسری روایت میں ہے۔

"اس کے بعد جس نے سود کھایا، وہ میری ضمانت سے خارج ہے،!"

(یعقوبی، ج ۲ ص ۶۲ فٹ نوٹ، فتوح البلدان اوّل)

اور میرے خیال میں یہی روایت قرین صواب ہے۔

آنحضرت کا مجوس سے معاہدہ

ہجر کے مجوس سے آپ ؐ نے جو معاہدہ فرمایا ہے:

"— ہم سے حدیث بیان کی القاسم بن سلام نے انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی عثمان بن صالح نے، ان سے عبداللہ بن لہیعہ نے۔ ان سے ابوالاسود نے اور ان سے عروہ بن الزبیر نے کہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ہجر (مجوس) کو تحریر فرمایا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد النبی کی جانب سے اہل ہجر کے نام تمہیں امن دیا گیا ہے۔ میں اللہ کی حمد کرتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

اما بعد! میں تمہیں اللہ کے لیے، اور خود تمہاری ذات کے لیے وصیت کرتا ہوں کہ ہدایت پانے کے بعد گمراہ نہ ہونا اور رشد حاصل کرنے کے بعد غلط روی اختیار نہ کرنا۔ تم نے جو کچھ کیا ہے اس کی مجھے اطلاع ہوگئی ہے۔ تم میں سے جو نیک کردار رہے گا، اس پر بدکردار کا گناہ نہیں ڈالا جائے گا۔

جب میرے امراء تمہارے پاس پہنچیں، تو اللہ کے کام اور اس کے رستے میں ان کی اطاعت و اعانت کرنا، تم میں سے جو نیک کام کرے گا وہ اللہ کے ہاں اور میرے ہاں ضائع نہیں ہوگا۔

تمہارا وفد میرے پاس آیا، اور میں نے اس سے کوئی ایسی بات نہیں کی جو ناخوش کرنے والی ہو، حالانکہ اگر میں اپنا پورا حق لینے کی کوشش کرتا، تو تمہیں ہجر سے نکال دیتا۔ میں نے تمہارے غائب کی رعایت کی ہے اور حاضر کے ساتھ مہربانی برتی ہے۔

فاذکر نعمۃ اللہ علیکم

نجران کے عیسائی، اہل کتاب تھے، یعنی کافر تھے۔ مشرک نہ تھے۔ لیکن یہ مجوس ہا ——— یہ تو بالکل مشرک تھے، لیکن رحمت للعالمین ص کی رواداری ان کے ساتھ بھی وہی تھی، جو اہل کتاب کے ساتھ بھی اسلام کی وہ تلوار تھی، جس سے فریح ہو ہو کر لوگ، اسلام کے حلقہ میں آتے تھے۔

﹏

بدترین دشمن سے معاملت

یہود کا شمار اسلام کے بدترین دشمنوں میں ہوتا ہے، انہوں نے طے کر لیا تھا کہ جس طرح بھی ہو، اسلام کو نہ پنپنے دیں، اور داعی اسلامؐ کی آواز لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچنے دیں، لیکن ان کے اس معاندانہ طرزِ عمل کے باوجود آپؐ کا برتاؤ، اور معاملہ ان کے ساتھ بھی رفق و مدارا کا تھا، چنانچہ:—

"نبی صلعم نے انتقال فرمایا تو اس وقت آنحضرت صلعم کی زرہ ایک یہودی کے پاس بعوض غلہ بجو رہن تھی [1]"

اعتراف

داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی وہ طرزِ عمل تھا، جس نے غیر مسلموں کے دل موہ لیے، اور ایک ایسی نئی امت پیدا کر دی، جو اپنے "آب و رنگ کے اعتبار سے دنیا میں اپنی مثال آپ تھی، چنانچہ ایک غیر مسلم مؤرخ ان حقائق کو دیکھ کر اپنے تئیں اس اعتراف پر مجبور پاتا ہے کہ:—

عربوں نے ایرانی شہنشاہیت کے پرخچے اڑا دیئے، انہوں نے بازنطینی سلطنت کی بنیاد ہلا دی اگر کوئی ساتویں صدی عیسوی کے ابتدائی ۳۰، ۲۵ سالوں میں یہ پیشین گوئی کرنے کی جرات کرتا کہ دس بیس سال کے اندر ایک نامعلوم طاقت عرب جیسی غیر متمدن اور غیر معروف سرزمین سے اٹھے گی، اور اپنے زمانہ کی دو نہایت بڑی سلطنتوں پر دھاوا کر کے ایک پر قابض اور متصرف ہو جائیگی اور دوسری اس کے بہترین علاقے چھین لے گی تو یقیناً اسے پاگل سمجھا جاتا۔

---

[1] بخاری عن عائشہ رضؓ

لیکن جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے بالکل یہی پیش آیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب کی بانجھ زمین کو جیسے کسی نے جادو کے زور سے مردم خیز خطہ میں تبدیل کر دیا پھر تو اس کی خاک سے ایسے ایسے عالی ہمت اور بلند حوصلہ لوگ اٹھے کہ شمار اور صفات کے اعتبار سے اور کہیں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ عراق، شام اور مصر میں خالد بن ولید اور عمرو بن عاص نے جو معرکے سر کئے عرب کی تاریخ میں ان کا شمار ایسی فوجی مہموں میں ہوتا ہے جو نہایت ہی دلیرانہ سرانجام دی گئیں اور ان کا مقابلہ بجا طور پر ہنی بال اور سکندر کی جنگی مہموں سے کیا جا سکتا ہے۔!

عہد
خلافتِ راشدہ

عہد رسالت کے بعد، عہد خلافت راشدہ شروع ہوتا ہے، یہ دوَر اُن لوگوں کا ہے جو رسول م کے تربیت یافتہ تھے، اور صحیح معنوں میں جانشین رسول تھے، ان کی رفتار و گفتار سیرت و کردار اور شخصیت؛ ہر چیز میں اس شان کی جھلک تھی، جو صرف رسالت مآب م کے لیے مخصوص تھی، خلافتِ راشدہ کے بعد جو دوَر حکومت شروع ہوا وہ درحقیقت ملوکیت اور قیصریت کا دوَر تھا، اگرچہ ایک عرصہ تک غلط طور پر نام اس کا بھی "خلافت" ہی رہا،

ان اوراق میں ہمیں دیکھنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، جن اصحاب کے ہاتھ میں زمام کار، اور عنان اقتدار، اور قوتِ اختیار آئی، غیر مسلموں کے ساتھ ان کا طرزِ عمل کیا رہا جو اسلام "جہاد" کے لیے بدنام ہے، جس کی تلوار پر ان گنت الزامات عائد کیے جاتے ہیں، جسکے بارے میں آج کے روشن خیال، انسانیت نواز، اور "غیر متعصب" لوگ یہ کہتے نہیں تھکتے کہ اسلام قرونِ وسطیٰ کا مذہب ہے، اور مسلمان، غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک، رواداری اور ملاطفت کا برتاؤ کر ہی نہیں سکتے دیکھنا ہے کہ وہ اسلام جب مکمل طور پر صاحب اقتدار تھا، جب حکومت اس کے ہاتھ میں تھی، اور وہ وقت کی سب سے بڑی حکومتوں، روم و ایران ــــ کا تختہ الٹ چکا تھا، اور دنیا میں کوئی مذہب، کوئی گروہ، اور کوئی نظام حکومت اس کے مقابل کی حیثیت سے باقی نہیں رہ گیا تھا،

اس نے اپنے مفتوحوں کے ساتھ، ماتحتوں کے ساتھ، دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ، حریفوں اور حلیفوں کے ساتھ، اختلاف عقیدہ و مذہب کے باوجود کیا برتاؤ کیا، اور یہ کہ وہ برتاؤ اپنی نوعیت میں یکتا اور بے مثال تھا یا نہیں؟ یہ کہ اس برتاؤ کی مثال، دنیا کا کوئی اور مذہب آج تک بھی پیش کر سکا ہے؟ نیز یہ کہ، عہد جدید کی ذہنی اور عقلی ترقیاں اور سربلندیاں اس کے نزدیک بھی پہنچ سکی ہیں یا نہیں؟

نشۂ قوّت

اس سلسلہ میں ہم ٹھوس اور ناقابل تردید واقعات و حقائق پیش کریں گے، لیکن اس سے قبل، پس منظر کے طور پر، خلفائے راشدین — ابوبکر رضؓ عمر رضؓ عثمان رضؓ، علی رضؓ — کی حیات گرامی کا مختصر ترین خاکہ، اور ان کے عہد آفرین دور کا مختصر سا جائزہ بھی لیں گے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ انہوں نے فتوحات اور کامیابی و کامرانی کے طویل اور مسلسل دور میں اپنے محکوموں اور مفتوحوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟

اقبال نے کہا ہے' :

صاحب نظراں نشۂ قوّت ہے خطرناک،!

اور یہ شاعری نہیں، حقیقت ہے، قوت بہت بڑا نشہ ہے، اور اس نشہ کا کوئی توڑ نہیں، انسان جب تک بے بس ہوتا ہے، ناطاقت ہوتا ہے، کمزور ہوتا ہے، مجبور اور معذور ہوتا ہے، اس میں رواداری، وسعت قلب، مہر و لطف غرض ہر قسم کے اخلاقی صفات موجود ہوتے ہیں، لیکن جب قوت و اقتدار کا سرچشمہ بن جاتا ہے، اس میں وہ تمام برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں جن کے خلاف، وہ برسرپیکار رہا کرتا تھا،

چند مثالیں

تاریخ کے صفحات اس طرح کی مثالوں سے بھرے پڑے ہیں، لیکن تاریخ ماضی

کے بجائے اگر ہم تاریخ حاضر کے اوراق کھنگالیں، تو ہمیں معلوم ہوگا، ہندوستان میں آزادی اور استقلال کی ایک تحریک اٹھی، اس تحریک کی بنیاد واساس عدم تشدد، حق و انصاف، مساوات اور عدل پر تھی۔ اور کوئی شبہ نہیں جب تک یہ تحریک کامیاب نہیں ہوئی، یہ اقدار اس میں موجود تھیں۔ لیکن، جب کامیاب ہوگئی، ہندوستان آزاد ہوگیا، ہندوستان کی حکومت اس تحریک کے لیڈروں کے ہاتھ میں آگئی تو وہ تمام بنیادیں ہل گئیں، جنھوں نے اس تحریک کو پروان چڑھایا تھا، وہ تمام اصول ختم ہوگئے، جو اس تحریک کے روح رواں تھے، جنھوں نے دنیا میں اسے سربلند اور سرفراز کیا تھا، جن کے باعث بین الاقوامی طور پر اس کی ساکھ بڑھی اور عظمت میں اضافہ ہوگیا، جس کی بڑائی اور گیرائی کے سامنے دنیا کی بڑی بڑی قوتیں اور شخصیتیں سر عقیدت ختم کر چکی تھیں،

حق خود ارادیت کا حشر

۱۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہندوستان کی تمام ریاستوں کے لیے، کانگرس حکومت نے حق خود ارادیت تسلیم کیا تھا؟ لیکن، اسی حکومت نے حیدر آباد کے خلاف پولیس ایکشن کیا، وہاں کے مسلمانوں کو مارا، کچلا، اساسا ختم کر دیا، ان گنت عورتوں کی عصمتیں لوٹیں لاتعداد لوگ ہلاک ہوئے، کروڑوں روپیہ کی جائدادیں چھین لی گئیں، اور برباد کر دی گئیں، — جرم صرف یہ تھا کہ حیدر آباد، انڈین یونین میں کیوں نہیں شریک ہوتا؟

۲۔ کیا یہی سب کچھ ٹراونکور کے ساتھ بھی نہ ہوتا، اگر اس نے ناکہ بندی سے ڈر کر فوراً الحاق نہ کر لیا ہوتا؟

۳۔ پولیس ایکشن کے دوران میں، نظام نے، اپنی حکومت، اور اپنی قوم سے غداری کی، پس پردہ، کانگرس حکومت سے سازباز کر کے، بڑی آسانی کے ساتھ، ریاست کا الحاق انڈین یونین سے کر لیا، اس سلسلہ میں ایک معاہدہ طے پایا، اور ریاست کے حفظ وبقا

کی ذمہ داری انڈین حکومت نے اپنے سر لی، لیکن اس معاہدہ کو ابھی چند سال بھی نہیں گزرے تھے کہ ریاست کا وجود ختم کر دیا گیا، اس کے مختلف اضلاع مختلف صوبوں میں شامل کر دیئے گئے، اور اب "حیدر آباد" نامی ریاست کا وجود، ہندوستان کے نقشہ میں کہیں نہیں ہے، اب نظام صرف ایک معمولی شہری اندھرا پردیش کا ہے۔

اُردو کا ماضی اور حال

۴۔ گاندھی جی نے، کانگرس نے، پنڈت نہرو نے، بابو راجندر پرشاد نے، بار بار یہ اعلان کیا تھا، کہ ہندوستان کی سرکاری زبان ہندوستانی (اردو) ہوگی، جو دیوناگری، اور فارسی رسم الخط میں لکھی جائے گی، لیکن کیا اس اعلان پر عمل اس طرح نہیں ہوا کہ، اردو کو علاقائی زبان بھی نہیں تسلیم کیا گیا؟ ۲۲ لاکھ باشندوں نے، جن میں ہندو اور مسلمان بھی شامل تھے۔ صدر جمہوریہ کو محضر پیش کیا، کہ اگر اردو سرکاری زبان نہیں بنائی جاتی، تو اسے علاقائی زبان ہی مان لیا جائے، مگر یہ درخواست بھی شرف قبول حاصل نہ کر سکی، حیدر آباد کی عثمانیہ یونیورسٹی جو سارے ہندوستان میں واحد اردو یونیورسٹی تھی، اس یونیورسٹی کے طلبہ نے اردو میں تعلیم حاصل کر کے، لندن، برلن، پیرس، نیویارک، اور دوسرے غیر ممالک کی یونیورسٹیوں میں امتیاز کے ساتھ کامیابیاں حاصل کیں، اور ثابت کر دیا اردو کا ذخیرہ علم محدود نہیں بلکہ غیر معمولی طور پر وسیع ہے، اس یونیورسٹی نے، عصری علوم و فنون کو اردو میں منتقل کرنے کے لیے ایک دار الترجمہ قائم کیا، اور اس دارالترجمہ نے، عربی، فارسی، انگریزی، اور فرنچ، زبانوں کے تمام علوم و فنون کو اردو میں منتقل کر لیا، انجینیرنگ، ڈاکٹری، سائنس، وغیرہ تمام معیاری، اور نصابی کتابیں اردو میں ترجمہ کرالیں، لیکن کسی اور نے نہیں خود پنڈت نہرو نے بیک جنبش اب

سب عثمانیہ یونیورسٹی کو ہندی یونیورسٹی بنا دیا، وہ ہندی جواب تک زیر تشکیل ہے اور وہ بھی کہاں مغربی ہند میں، جہاں کے ہندو بھی ہندی سے اتنی ہی نفرت کرتے ہیں، جتنی کوئی مسلمان شیطان سے، اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا، دارالترجمہ بند کر دیا گیا، اس کی قابل فخر اور یگانۂ روزگار کتابیں کوڑی کے مول بیچ دی گئیں، اور، لاکھوں روپیہ کے صرف سے، جو غیر مطبوعہ مسودے، (دارالترجمہ کے) دفتر میں محفوظ تھے، وہ گاؤ خورد کر دیئے گئے، گویا گذشتہ تین، چار سال میں، جو شاندار کارنامہ نظام نے، عثمانیہ یونیورسٹی نے، اور حیدر آباد کے مسلمانوں نے انجام دیا تھا وہ برباد کر دیا گیا، تاریخ میں اگر حیدر آباد کی بربادی، وہاں کے مسلمانوں اور ان کی تہذیب وثقافت، اور علوم وفنون کی تباہی کی مثال مل سکتی ہے، تو صرف ہلاکو کے دور میں جس نے بغداد میں داخل ہو کر، وہی کچھ کیا تھا، جس کا نظارہ چشم تماشہ نے، حیدر آباد، جامعۂ عثمانیہ، اور دارالترجمہ کی بربادی کی صورت میں کر لیا، !

وعدہ شکنی

۵۔ کشمیر پر انڈین یونین کی فوجوں نے جب قبضہ کیا تھا، تو وزیر اعظم ہند، پنڈت نہرو نے، صاف اور واضح الفاظ میں اعلان کیا تھا، کہ یہ الحاق عارضی ہے کشمیر کے باشندوں کی حق خود ارادیت حاصل ہے، حالات جیسے ہی پر سکون ہوں گے، غیر جانبدارانہ طور پر استصواب عام کر دیا جائے گا، حکومت ہند نے یہ وعدہ پرائیوٹ طور پر نہیں، بین الاقوامی طور پر کیا تھا، انجمن اقوام متحدہ کے ایوان میں کیا تھا، لیکن اب وعدہ کی کوئی قدر وقیمت پنڈت نہرو سے پوچھے، وہ اور ان کے نفس ناطقہ کرشنا مینن صاف الفاظ میں کر چکے ہیں، کشمیر ہمارا ہے اور استصواب رائے کی کوئی ضرورت نہیں،

اور "کشمیر ہمارا" عوام کی رائے سے نہیں، مہاراجہ کی مرضی سے ہوا ہے۔

حالانکہ سردار پٹیل اور پنڈت نہرو، کھلے الفاظ میں، اعلان کر چکے تھے کہ الحاق کا حق، والی ریاست کو نہیں، وہاں کے عوام کو ہے، اس اصول کی بنا پر، حیدرآباد کی آزادی تسلیم نہیں کی گئی، اور جوناگڑھ کو زبردستی ملحق کر لیا گیا، اور ان کی ناکہ بندی کر کے اس سے معاہدہ الحاق پر دستخط کر دیئے گئے۔

یہ ہے معاہدہ کا احترام؟

۶۔ تقسیم ہند کے بعد، جب فسادات کا خون بہا، اور ہولناک دور شروع ہوا، تو، معابد، اور مساجد پر بھی مقابلے ہوئے، دونوں حکومتوں نے اعلان کیا، کہ عبادت گاہوں کا احترام کیا جائے گا، غیر مذہب کے لوگوں سے انہیں خالی کرا لیا جائے گا، پاکستان میں مسجد شہید گنج تک گردوولت کی صورت میں موجود ہے، اور وہاں کوئی "مسلمان" پرندہ پر بھی نہیں مار سکتا، اور بھارت کے دارالسلطنت دلّی میں ابھی تک کئی سو مسجدیں ایسی ہیں، جن پر غیر مسلم قابض اور متصرف ہیں اور ان میں مشغلہ میں گفتنی اور ناگفتنی، سب کچھ ہو رہا ہے، اور یہ کیفیت صرف دلّی ہی کی نہیں، مشرقی پنجاب کے ہر شہر میں، الور میں، بھرت پور میں، اور دوسرے مقامات پر بھی یہی کیفیت ہے، کس کی مجال ہے کہ فریاد کرے، ؟ کس میں ہمت ہے کہ احتجاج کرے، کون ہے جو یہ فریاد سنے، اور اس احتجاج پر کان دھرے ——؟

مساوات کا نادر نمونہ

۶۔ کاغذ پر ہندوستان کا ہر شہری مساوی حقوق رکھتا ہے، لیکن عملاً، ——؟
وہی مسلمان، جو تقسیم سے قبل تمام سرکاری عہدوں پر فائز تھے، جنہوں نے اپنی قابلیت، اہلیت، صلاحیت، اور استعداد کا لوہا منوا لیا تھا، جو مقابلہ کے امتحانوں میں امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوتے تھے، اب اتنے نالائق ہو گئے ہیں کہ کسی عہدہ

کے لائق نہیں سمجھے جاتے، کسی امتحان میں کامیاب نہیں ہوتے،

یہ چند موٹی موٹی باتیں ہیں، ان سے "نشۂ قوت" کا اندازہ ہو سکتا ہے،

اب ذرا یہ ملاحظہ فرمایئے کہ جب قوت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی، تو ان کی شرافت اور رواداری کا کیا عالم تھا؟

تذکرۂ خلفائے راشدین

اب ہم خلفائے راشدین کا تذکرہ پیش کرتے ہیں، پھر ان کے عہد کے حالات و واقعات پر گفتگو کریں گے۔

حضرت ابوبکر

جب محمد بن عبداللہ (بابا بنا و اماتنا) نے اس دُنیا سے کنارہ کیا، اور اس حادثہ کے رونما ہوتے ہی، مسلمانوں کی آنکھوں میں دُنیا تاریک ہو گئی۔

اب کیا ہو گا؟ ——!

اب تک یہ تھا کہ رسالت مآبؐ اس دُنیا میں تشریف فرما تھے، ان پر وحی نازل ہوتی تھی، ان کے پاس جبریل امین تشریف لاتے تھے، ان سے اور خدا سے کلام و پیام کا سلسلہ جاری تھا،

یہ سلسلہ اب ٹوٹ گیا۔

اب وحی قیامت تک کسی پر نہیں آئے گی،

اب جبریل قیامت تک اس خاک دانِ عالم پر قدم نہیں رکھیں گے۔

اب خدا قیامت تک کسی بندے کو شرف کلام نہیں عطا کرے گا!

پھر اب کیا ہو گا؟ —— اب گتھیاں کیونکر سلجھیں گی، مشکلات کا حل کس طرح ہو گا؟ معاملات کے سلجھنے کی کیا صورت ہو گی؟ حالات کو روبراہ کون کرے گا؟

فکر اور غم کے اس اندھیرے میں ابوبکرؓ کا پُر نور چہرہ چمکتا ہوا لوگوں کو نظر آیا۔

یہ ابو بکرؓ وہی تھے، جنہوں نے رسول اللہ کے ایک اشارہ پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، جنہوں نے رسول کو بچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دی، اور اب کہ لوگ بدحواس ہو رہے تھے، وہ اُمید کے پیامبر بن کر تشریف لائے، انہیں دیکھتے ہی لوگوں کی ڈھارس بندھ گئی، نااُمیدی کافور ہوگئی، یا اس کی جگہ اس نے لے لی، اور رسول اللہ کی جانشینی پر وہ شخص مامور ہوگیا جو رسولؐ اللہ کو بہت زیادہ محبوب تھا، جو رسول اللہ کا بہت زیادہ معتمد تھا، وہ دُنیا میں پہلا آخری شخص تھا جس کے مال کو رسول اللہ نے اپنا مال سمجھا اور مسندِ خلافت پر بیٹھ کر ابو بکرؓ نے ثابت کر دیا کہ ملّت اسلامیہ نے پریشانی کے ہجوم میں ان پر جو اعتماد کیا تھا، وہ کتنا صحیح تھا،

"ولادت سرورِ عالمؐ کے دو برس چند ماہ بعد یعنی ۳ھ ولادت محمدی (۵۷۳ء) میں حضرت ابو بکرؓ مکہ میں پیدا ہوئے —!" وہیں پلے بڑھے، ماں باپ نے نام عبدالکعبہ رکھا تھا، لیکن قبول اسلام کے بعد آں حضرتؐ نے عبدالکعبہ کو عبداللہ سے بدل دیا، خوب رو اور خوش اندام تھے، عتیق نام پڑ گیا۔

دولت مند گھرانے کے فرد تھے، جب سن شعور کو پہنچے، تجارت کو ذریعہ معاش بنایا، اور اس میں خوب پھلے پھولے اور کامیاب رہے، تجارت کے سلسلہ میں مکہ سے باہر بھی جاتے رہتے تھے، زیادہ تر شام کی طرف،

آں حضرتؐ کے تقریباً ہم عمر تھے، بچپن سے، دوستانہ تعلقات تھے، یہ آں حضرت کی صحبت اور فطرت سلیم کا اثر تھا کہ عہد جاہلیت میں بھی پاک دامن رہے، نہ لہو و لعب میں حصّہ لیا، نہ خرافات اور لغویات میں سیرت اور کردار کی بلندی کے باعث اپنے قبیلہ اور قوم میں عزت اور احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے،

حضرت رسولِ مقبولؐ نے جب اسلام کی دعوت دی، تو سب سے پہلے بغیر

کسی تامل اور تذبذب کے دمردول میں، جن نے اس دعوت پر لبیک کہا، وہ ابوبکرؓ ہی تھے۔

"آپ کو خدا نے فطرتاً نرم دل، اور بنی نوع انسان کا ہمدرد پیدا کیا تھا، آنکھوں میں مروت تھی، دل دردمندی اور خوفِ الٰہی سے بھرا ہوا تھا، کبھی کسی کو مصیبت میں نہ دیکھ سکتے تھے، جہاں تک بنتا خداترسی اور فیاضی سے کام لیتے، لوگوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی سے پیش آتے، جود و کرم کا جوہر دکھاکے غریبوں کی خبرگیری کرتے، محتاجوں کے پیٹ بھرتے، اور مظلوم غلاموں کو مول لے کر آزاد کرتے تو

شخصیت اور وجاہت

"آپ کا شمار قریش کے رؤسا اور اکابر میں تھا، انساب عرب سے خوب واقف تھے، حالات امم (سابقہ) سے بخوبی آگاہ تھے، اس لیے بڑے معاملہ فہم مانے جاتے تھے، دارالندوہ میں جو اہم معاملہ پیش آیا اس میں آپ کی رائے زیادہ اہم اور باوقعت تسلیم کی جاتی تھی، اتقاء اور پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ کبھی جھوٹ نہ بولتے، شراب کو عہدِ جاہلیت ہی میں اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، قوم میں جب کبھی کوئی قتل ہو جاتا، خون بہا کی رقم مشخص کرنا اور قاتل کو اپنی کفالت وحراست میں رکھنا خاص آپ کا کام تھا [۱]"

حضرت بلال کا آقا ان کے قبول اسلام کے باعث بہت ناراض اور برہم تھا، اور طبعاً سفاک اور بے رحم بھی، اُس نے چاہا، بلال اسلام سے دست بردار ہو جائیں، جب یہ نہ ہوسکا تو وہ انتقام پر اتر آیا، وہ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں، تپتی ہوئی ریت پر انہیں لٹا دیا، پھر سینہ پر وزنی اور گرم پتھر رکھ دیتا، اور کہتا جب تک لات وعزیٰ پر ایمان نہیں لاؤ گے یونہی گھٹ گھٹ رہے گی، مگر اس ظلم وستم کا جواب بلال کی زبان پر صرف ایک تھا، احد، احد،

---

[۱] ثانی اثنین

یعنی اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے،

حضرت ابوبکر رضؓ صدیق کی نظر سے جب یہ لرزہ خیز منظر گزرا، فوراً بلال کو خریدا، حسبۃً للہ آزاد کر دیا۔ ؎۱

یار غار

قبول اسلام کے بعد جس فدا کاری، ایثار اور خلوص کے ساتھ، آں حضرتؐ کا ساتھ دیا، اس کی کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی!

ایک مرتبہ اپنا سارا اثاثہ راہِ خدا میں دے دیا، یارسول اللہؐ نے پوچھا، گھر میں کچھ چھوڑا؟ فرمایا، خدا اور اس کا رسول!

ہجرت کے بعد جب مدینہ میں مسجد نبوی کے لیے آپؐ نے زمین خریدی تو اس کی قیمت ابوبکر رضؓ ہی نے ادا کی، ہجرت کے موقع پر، اپنی جان خطرہ میں ڈال کر آل و اولاد کو یونہی مکہ میں بے آسرا اور بے سہارا چھوڑ کر ذاتِ رسالتؐ کے ساتھ ہو لیے اور غار ثور میں پناہ گزین ہوئے، یہیں کفار ڈھونڈتے ڈھونڈتے جب قریب پہنچے تو حضرت ابوبکر پر آں حضرتؐ کی خیر طلبی کے بعد باعث اضطراب سا طاری ہوا، آپؐ نے کامل سکون کے ساتھ، لا تحزن ان اللہ معنا (مت ڈرو خدا ہمارے ساتھ ہے)

آنحضرت کے ساتھ تقریباً تمام غزوات میں جوش اور فداکاری کے ساتھ شرکت کی۔ جب بڑے بڑے کارآزمودہ اور سرد و گرم چشیدہ لوگوں کے پائے ثبات میں لغزش آگئی، ابوبکر رضؓ کے استقلال اور استقامت، فداکاری اور جاں نثاری، دوستی اور رفاقت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

؎۱ طبری

خلافت

آں حضرتؐ کے وصال کے بعد تقریباً بالاتفاق، آپ کو جانشین رسول منتخب کیا گیا۔ اس گراں بار ذمہ داری کو جس سچائی اور بے لوثی کے ساتھ آپ نے انجام دیا، وہ آپ کا ہی حصہ تھا،

آں حضرتؐ کی وفات کے بعد جب زکوٰۃ کی عدم ادائی، ارتداد کی کارفرمائی اور نام نہاد مدعیانِ نبوت کی دعوت کا سلسلہ شروع ہوا تو ایمان اور کردار کی پوری استقامت کے ساتھ آپ نے ان حالات کا مقابلہ کیا، اور بالآخر ان کا استیصال کرکے دم لیا، حالات کی ابتری اور نزاکت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ تک نے مانعین زکوٰۃ کے بارے میں نرمی کا مشورہ دیا تھا[1] لیکن حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، تم جاہلیت میں تو بڑے سخت تھے، لیکن انت جبان فی الاسلام، اور اسلام قبول کرنے کے بعد پست حوصلہ بن گئے، اس موقع پر اگر حضرت ابوبکرؓ سے ذرا بھی کمزوری سرزد ہوتی تو اسلام پھر کبھی نہ ابھر سکتا۔

بیعت کے بعد —— " ابوبکرؓ منبر پر چڑھے۔ اور رسولؐ اللہ کی نشست گاہ سے ایک زینہ نیچے بیٹھے، اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، اور کہا میں تم لوگوں پر والی بنا دیا گیا، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں راہِ راست پر چلوں تو پیروی کرو، اگر کجی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر دیں، میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ بزرگی میں تم سے افضل ہوں، لیکن بوجھ اٹھانے میں تم سے افضل ہوں۔ ——"

حضرت ابوبکرؓ منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد بھی بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے، انہوں نے اپنی کامیاب تجارت کو چھوڑ کر خلافت کا بارِ گراں اٹھایا، اور انتہائی اور فدویت کے ساتھ زندگی بسر کی —— اُنہوں نے لوگوں میں بیت المال

---

[1] طبری۔

سے مساویانہ تقسیم کی کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دی، وہ بیت المال سے روزانہ تین درہم بطور مدد معاش لیا کرتے تھے، اور خلیفہ رسول اللہ کہلاتے تھے ۔۔۔!"

وفات

"جمادی الآخر ۱۳ھ میں علیل ہوئے، بیماری جب شدت پکڑ گئی، تو حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کیا، پھر کہا، میں نے بیت المال سے جو مال لیا تھا جب میں مر جاؤں تو فلاں مقام پر جو میرا باغ ہے اُسے فروخت کر کے قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے، ابوبکرؓ نے اپنے غسل کے لیے اپنی بیوی اسماءؓ بنت عمیس کو وصیت کی، انہی نے وفات کے بعد انہیں غسل دیا، رات کے وقت دفن کیے گئے۔ اُن کی وفات ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ کو ہوئی ۔۔۔ [1] !"

نماز جنازہ ۔۔۔ عمر بن خطابؓ نے پڑھائی، وہ اسی مکان میں دفن کیے گئے جس میں رسول اللہ کی قبر ہے، وفات کے وقت اُن کی عمر ۶۳ برس کی تھی، ان کی خلافت دو سال چار ماہ رہی ۔۔۔

۔۔۔ ابوبکرؓ گورے دُبلے پتلے تھے، رخسارے سبک تھے، پسلیاں جھکی ہوئی تھیں، مہندی اور کسم کا خضاب لگاتے تھے، ابوبکرؓ کے زمانہ میں جن لوگوں سے فتویٰ لیا جاتا تھا وہ یہ تھے، علیؓ ابن ابی طالب، عمر بن خطاب، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زیدؓ بن ثابت، اور عبداللہ بن مسعود ۔۔۔!"

بہت بڑی خدمت

حضرت ابوبکرؓ کی یوں تو ساری زندگی، اسلام اور داعی اسلام کی خدمت میں گذری، لیکن آپ کی سب سے بڑی خدمت قرآن کی کتابی صورت میں (مصحف کے نام سے) ترتیب ہے، اگر آپ نے بروقت اس طرف توجہ نہ کی ہوتی، تو اس سلسلہ میں بعد کو مفاسد کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا، لیکن آپ نے بروقت اقدام و اہتمام کر کے

قرآن کریم کی سالمیت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پائندہ کر دیا!

خلافتِ صدیقی پر ایک نظر

اگرچہ حضرت ابوبکر رضؓ کی خلافت کا ایک زمانہ صرف سوا دو سال کی مختصر مدت تک محدود ہے لیکن یہ سوا دو سال اہمیت کے لحاظ سے اپنے دامن میں ایسے دُور رس، فیصلہ کن اور نازک تر واقعات، حالات اور کیفیات کے حامل تھے ان میں سے کوئی ایک واقعہ بھی تاریخ کا رُخ بدل سکتا تھا۔ اگر آپ نے مانعین زکوٰۃ کو ذرا بھی ڈھیل دی ہوتی یا مرتدین کے ساتھ رعایت کی ہوتی، یا باطل مدعیانِ نبوت کے ساتھ چشم پوشی کی ہوتی، یا جیشِ اسامہ کے معاملہ میں تاخیر روا رکھی ہوتی، یا کم از کم اسامہ رضؓ کی سپہ سالاری ختم کر دی ہوتی، تو ان میں سے ایک واقعہ بھی اپنے نتائج کے اعتبار سے اسلام کی تاریخ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کمزور بنا دیتا، لیکن آپ نے ہر مرحلہ پر ایسے استقلال، استقامت اور حوصلہ کا ثبوت دیا کہ لوگوں میں ایک نئی امنگ پیدا ہو گئی، لڑکھڑاتے ہوئے قدموں میں وہ استقلال پیدا ہوا کہ وہ کوہِ گراں کی طرح ثابت اور مستقل ہو گئے۔

حضرتِ عمر رضؓ

حضرت ابوبکر رضؓ نے اس دنیا سے رختِ سفر باندھا، حضرت عمر رضؓ کی نامزدگی قوم نے تسلیم کر لی اور وہ منصبِ خلافت پر فائز ہو گئے۔

حضرت ابوبکر رقیق القلب تھے، رحم دل تھے، بامروّت تھے، حضرت عمرؓ سخت مزاج تھے، اصول کے معاملہ میں متشدد تھے، حق کے معاملہ میں رعایت اور مروّت کے قائل نہیں تھے، لیکن مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد ان میں وہ نرمی اور لینت آ گئی۔ جو اس منصب کے لیے ضروری تھی، لوگ بر سرِ منبر اُنہیں ٹوک دیتے تھے، اُن پر اعتراض کرتے تھے۔ ان کی فکر و رائے سے اختلاف کرتے تھے اور زیادہ

تر یہ اختلاف تند و ترش لہجہ میں ہوتا تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے کبھی قوت اور طاقت کے بل پر لوگوں کی آواز دبانے کی کوشش نہیں کی، وہ راتوں کو گشت کرکے دیکھتے تھے کہ کون آسودہ حال ہے، کون فاقہ مست، وہ بھوکوں کو دیکھ کر لرز جاتے تھے، خود کاندھے پر اناج کی بوری رکھتے، اور لے کر پہنچتے تھے، وہ لوگوں کا حق دلانے پر ذرا بھی تاخیر گوارا نہ کرتے تھے، وہ اپنے غلام کو بھی وہی کھلاتے تھے، جو خود کھاتے تھے، وہی پہناتے تھے جو خود پہنتے تھے۔ بحر و بر کی حکومت ان کے ہاتھ میں تھی، لیکن لباس فاخرہ نہ خود پہنا، نہ اپنے عاملوں اور گورنروں کو پہننے دیا، ایران و روم کے خزانے ان کے قدموں پر لاکر ڈال دیئے گئے، لیکن ان کے دسترخوان کی سادگی میں فرق نہ آیا، ممالک غیر کے سفراء ان سے ملنے کے لیے آئے تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ زمین پر معمولی سا لباس پہنے ہوئے جو شخص دراز ہے، یہی اس پر ہیبت و عظمت شخصیت کا حامل ہے، جس کے نام سے باطل لرزتا اور ناحق کانپتا ہے، بیت المقدس میں ایک فاتح فوج کے سپہ سالار اعلیٰ کی حیثیت سے عمرؓ نے جب قدم رکھا تو یہ پیوند لگا ہوا لباس ان کے بدن پر تھا، لیکن رعب و جلال کا یہ عالم کہ اکڑی ہوئی گردنیں انہیں دیکھتے ہی ادب سے جھک گئیں!

حضرت عمرؓ آں حضرتؐ سے ۱۲ سال چھوٹے تھے، جب ذرا سمجھ آئی تو باپ نے اونٹوں کے چرانے کا کام سپرد کر دیا، اس کام میں اگر ذرا بھی غفلت برتتے تو سخت گیر باپ کے ہاتھوں مارے جاتے،

قبول اسلام

عہد جاہلیت میں اسلام کے نام اور داعی اسلامؐ کے پیام کے سخت و شدید دشمن تھے، ایک مرتبہ اس ارادہ سے نکلے کہ آج محمدؐ کا فیصلہ کرکے لوٹوں گا، راستہ میں معلوم ہوا بہن اور بہنوئی بھی اسلام قبول کر چکے ہیں، راستہ ہی سے پلٹے اور بہن کے ہاں

پہنچے، وہاں تلاوت قرآن ہو رہی تھی، کلام الٰہی کا سننا تھا کہ دل کی دنیا زیر و زبر ہو گئی،۔ ہمرکشی اطاعت سے بدل گئی، اسلام قبول کر لیا، جس سختی سے اسلام کے مخالف تھے، اب اسی جوش کے ساتھ اسلام کے مناد اور مبلغ بن گئے۔

رسول اللہ نے جب مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت فرمائی تو کچھ عرصہ کے بعد حضرت عمر رضؓ نے بھی وطن مالوف پر ایک الوداعی نظر ڈالی، اور بظاہر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک نئے شہر — مدینہ — کی طرف روانہ ہو گئے۔

غزوات میں رسول اللہ کے دوش بدوش شرکت کی، استقامت اور پامردی کا ثبوت دیا، جنگ احد میں جب آنحضرتؐ کی وفات کی افواہ مشہور ہوئی تو حوصلہ نے جواب دے دیا، تلوار ایک طرف پھینک دی کہ اب لڑ کر کیا کریں گے۔[۱] لیکن جب معلوم ہوا یہ افواہ غلط تھی تو پھر اسی جوش و خروش سے شریک جنگ ہو گئے۔ بدر سے لیکر تبوک تک تمام جنگوں میں آن حضرتؐ کے ساتھ شریک رہے۔

خلافت

حضرت ابوبکر رضؓ کی نامزدگی قوم نے قبول کر لی اور حضرت عمر رضؓ خلافت، کے منصب پر فائز ہو گئے، آپ نے ۲۸ جمادی الآخر ۱۳ھ کو زمام خلافت ہاتھ میں لی[۱] تقریباً ساڑھے دس سال تک اس شان کے ساتھ فرائض خلافت سرانجام دیئے کہ وہ تاریخ اسلام کے ایک روشن اور تابناک باب کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، حضرت ابوبکر رضؓ کی طرح حضرت عمر رضؓ کا دور خلافت بھی بے نفسی دبے لوثی اور فدائیت کا دور تھا۔ اپنی ذات کے لیے کچھ نہیں چاہا، اپنے خاندان کے لوگوں

---

[۱] طبری

کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی، کمزور کا ساتھ دیا، مظلوم کی داد رسی کی، ظالم کو سزا دی، انصاف اور مساوات کے معاملہ میں بڑی سے بڑی شخصیت کا لحاظ بھی نہ کیا، جبلہ بن ایہم غسانی چھوٹا موٹا بادشاہ تھا، قبول اسلام کے بعد مکہ آیا، طواف کی حالت میں ازار پر ایک بدو کا پاؤں پڑ گیا، اس کی نخوت اس بدتمیزی کو برداشت نہ کر سکی، بدو کے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ اس نے دربار خلافت میں استغاثہ پیش کیا، فیصلہ جبلہ کے خلاف ہوا وہ فرار ہو کر مرتد ہو گیا، لیکن حضرت عمر رضؓ نے اپنے اسلام کی آن پر حرف نہ آنے دیا،

شہادت

۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ (۶۴۴ء) کو ابو لولو، ایک غیر مسلم غلام نے نماز کی حالت میں خنجر سے حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔

وفات کے وقت آپ نے چھ آدمیوں کی ایک مجلس بنا دی کہ وہ کثرت آرا سے جسے چاہے خلیفہ منتخب کر لے، مجلس نے یہ حق اپنے ایک رکن حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو دے دیا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اور اس طرح انکی خلافت پر بیعت ہو گئی۔

حضرت عثمانؓ

مکہ پر ابرہہ کی فوج کشی (عام الفیل) کے چھٹے سال آپ نے اس دنیا کو اپنے وجود سے رونق بخشی، بنو امیہ کے خاندان سے تھے،

ہوش سنبھالا تو تجارت شروع کر دی، خوب کمایا، خوب کھلایا، دل رحم

و مروّت سے معمور تھا کسی سائل کا جواب رد نہیں کیا، خدا نے تجارت میں بہت برکت دی، لاکھوں کما ڈالے، مگر بڑی دریا دلی سے خرچ بھی کر دیئے ۔

قبولِ اسلام

حضرت ابو بکر صدیق سے بچپن کی دوستی تھی، جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو عثمان رضؓ کو بھی تلقین کی آں حضرتؐ کی سیرت پاک کا نقش دل پر بیٹھا ہوا تھا، بے چوں و چرا حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، اور اپنی دولت بے دریغ راہِ اسلام پر خرچ کرنے لگے ۔

آپ بے انتہا بردبار، رحم دل، بامروّت اور خلیق و متواضع تھے، آپ کی حیا داری مشہور تھی، آں حضرتؐ آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے، چنانچہ اپنی ایک صاحبزادی حضرت رقیہ رضؓ سے شادی کر دی، ان کا جب انتقال ہو گیا تو دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضؓ کو آپ کے حبالۂ عقد میں دے دیا، اسی باعث آپ ذوالنورین کہلائے ۔

اسلام کا پہلا مہاجر

اسلام قبول کرنے کے بعد بے حد اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن پائے ثبات و استقامت میں لغزش نہ آئی،

پھر آں حضرتؐ کے حکم سے چند مسلمانوں کا جو مختصر سا قافلہ حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گیا، اس میں حضرت عثمان رضؓ بھی تھے، اور ان کے ساتھ ان کی اہلیہ حضرت رقیہ بھی، رسول اللہؐ نے یہ منظر دیکھا تو متاثر ہوئے، اور دعا دی ۔

بعد ازاں جب مسلمانوں کو مکّہ سے مدینہ کا اذنِ ہجرت ملا، تو حضرت عثمانؓ وہاں بھی ہجرت کر کے ہر چیز سے منہ موڑ کے، گھر بار، عزیز دوست، دولت ثروت سے کنارہ کش ہو کے وہاں پہنچ گئے ۔

بیعت رضواں

ایک مرتبہ آں حضرت کی طرف سے پیام بر بن کر آپ مکہ گئے، کفار نے از راہِ شرارت آپ کو واپس نہ آنے دیا، آں حضرت حدیبیہ کے مقام پر فروکش تھے (سنہ ۶ھ) حضرت عثمان کے بارے میں یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ کفار نے انہیں قتل کر دیا۔ آں حضرت ؐ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر مسلمانوں سے قربانی کی بیعت لی، یہ بات خدا کو اتنی پسند آئی کہ قرآن مجید میں اس کا ذکر آیا۔

خلافت

یکم محرم ۲۴ھ کو آپ نے زمامِ خلافت سنبھال لی [۱]۔

حضرت عثمان ؓ کی ایک حیثیت جامع القرآن کی بھی ہے، آپ نے قرآن جمع کیا، اور اسے مرتب کیا، طویل سورتوں کو طویل سورتوں کے ساتھ اور چھوٹی سورتوں کو چھوٹی سورتوں کے ساتھ کر دیا [۲]۔

حضرت عثمان رضؓ کاتب وحی بھی تھے، آپ کا شمار عشرۂ مبشرہ میں بھی ہے، "عشرۂ مبشرہ" ان دس صحابیوں کو کہتے ہیں جنہیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل چکی تھی۔

شہادت

حضرت عثمان رضؓ بہت نرم دل تھے، اُن کی نرم دلی سے لوگوں نے ناجائز فائدے بھی اُٹھائے،

حضرت عثمان رضؓ نے مختلف صوبوں میں جو گورنر مقرر کیے تھے، ان کے بعض

۱۔ ۲۔ طبری۔

طور طریقوں سے لوگوں کو شکایات پیدا ہوئیں، خود عثمان رضؓ کے جود و عطا سے بھی محروم ہیں کو صدمہ پہنچا، اور وہ سازش پر آمادہ ہو گئے، رفتہ رفتہ یہ فتنہ یہاں تک بڑھا کہ خاص مدینۃ الرسول میں باغیوں نے آپ کے گھر پر محاصرہ کر لیا، یہ محاصرہ چالیس روز تک جاری رہا، حضرت علی رضؓ نے باغیوں اور مفسدوں کو سمجھانے کی کوشش کی، لیکن وہ راہِ راست پر نہ آئے، احتیاطاً آپ نے حضرت حسنین علیہم السلام کو بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ صدر دروازہ تک حفاظت اور نگہبانی کے لیے مامور کر دیا ۔

باغی یہ رنگ دیکھ کر پچھلے دروازے سے گھر میں داخل ہوئے اور شہید کر دیا ۔

یہ واقعہ ایسا اچانک پیش آیا کہ سارے مدینہ پر ایک عجیب سراسیمگی طاری ہو گئی، تین روز تک باغیوں کی حکومت رہی، اس کے بعد کہیں جا کر امن و امان قائم ہوا ۔

حضرت عثمانؓ اوسط قد والے خوب صورت، گھنی داڑھی والے، گندم گوں شخص تھے، شانے بڑے بڑے، دونوں شانوں کے بیچ میں فاصلہ سر کے بال گھونگر دار دانت سونے کے تار سے بندھے ہوئے، داڑھی کا خضاب زرد ہوتا تھا عثمان رضؓ کے زمانہ میں فقہا یہ لوگ تھے، علی ابن ابی طالب، عبداللہ رضؓ بن مسعود، ابی بن کعب رضؓ، زید بن ثابت رضؓ ابو موسیٰ اشعری رضؓ عبداللہ رضؓ بن عباس رضؓ، ابو الدرداء رضؓ ابو سعید رضؓ الخدری، عبداللہ رضؓ بن عمر، سمعان بن ربیعہ الباہلی ——[1]

---

[1] طبری ۔

حضرت علیؓ

حضرت علیؓ آں حضرتؐ کے مبعوث ہونے سے دس سال پہلے تولد ہوئے شروع ہی سے آں حضرتؐ آپ پر بہت مہربان تھے، چنانچہ ابوطالب کے سایۂ پدری کے بجائے اوائل عمر ہی سے آپ آں حضرتؐ کے سایۂ عاطفت میں پلے اور بڑھے،

حضرت علیؓ نے آں حضرتؐ کو نماز پڑھتے دیکھا خود بھی پڑھنے لگے، اسلام کا چرچا سنا، فوراً اسلام قبول کرلیا، باپ (ابوطالب) نے بیٹے کو اس رنگ میں دیکھا تو نہ منع کیا، نہ تادیب کی۔

عشق رسول

رسول اللہ کی ذات گرامی سے حضرت علیؓ کو والہانہ عشق تھا۔ جب آپؐ نے ہجرت کا فیصلہ کیا، تو کفار گھر کو گھیرے ہوئے کھڑے تھے کہ جیسے ہی آپؐ باہر نکلیں، قتل کردیں، آپؐ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ ہجرت کے ارادہ سے تشریف لے گئے، اپنی چارپائی پر حضرت علیؓ کو لٹا دیا، جو امانتیں اہل مکہ کی تھیں وہ حوالے کردیں حضرت علیؓ جانتے تھے، یہ پھولوں کی سیج نہیں بستر مرگ ہے مگر ذرا ہراساں نہ ہوئے، نہایت اطمینان سے لیٹ گئے، صبح کفار نے آنحضرتؐ کے بجائے آپ کو بستر پر استراحت فرما دیکھا، تو بہت تلملائے، لیکن اب کیا کرسکتے تھے،

صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ لکھنے کا کام حضرت علیؓ کے سپرد ہوا،

کفارؔ نے اعتراض کیا کہ اس میں محمدؐ، کیساتھ رسول اللہ نہ لکھا جائے، ہم اگر نبی مانتے تو جھگڑا ہی کا ہے کا تھا، رفع شر کے لیے آں حضرتؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا، رسول اللہ کا لفظ کاٹ دو۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، میں آپ کو رسول مانتا ہوں، رسول لکھ چکا ہوں، یہ لفظ مجھ سے نہیں کاٹا جا سکے گا، آخر خود آں حضرتؐ نے اپنے دستِ مبارک سے یہ لفظ مٹایا۔

شجاعت

حضرت علیؓ کی شجاعت سپہ گری اور فنونِ جنگ کی مہارت ہمعصروں میں سب پر بالا تھی، بڑے بڑے معرکے سر کیے، بڑے بڑے پہلوانوں کو پچھاڑا بڑے بڑے کارآزمودہ اور سرد و گرم جنگ چشیدہ۔ جنگ جو سورماؤں کے دانت کھٹے کر دیئے۔

خیبر کی جنگ میں مرحب پہلوان کا قلعہ کسی سے سر نہ ہو سکا، حضرت ابوبکرؓ گئے، اور لوٹ آئے، حضرت عمرؓ نے دو مرتبہ کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے، آپؐ نے فرمایا کل میں اسے بھیجوں گا، جو خدا اور اس کے رسولؐ کو عزیز ہے، اور جسے خدا اور اس کا رسول عزیز ہیں، وہ اس معرکہ کو سر ہی کر کے آئے گا، دوسرا دن آیا حضرت علیؓ کا مزاج ناساز تھا۔ سب لوگ اس امید میں تھے کہ دیکھیں نگاہ رسالت کسے سرفراز کرتی ہے، آپؐ نے حضرت علیؓ کو یہ ذمہ داری سونپی، اور آپ پہلے ہی حملے میں مظفر و منصور ہوئے، حضرت عمرؓ تک کو حضرت علیؓ کی اس سرفرازی پر رشک آ گیا۔

آں حضرتؐ جب مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے، تو کچھ عرصہ کے بعد لوگوں کی امانتیں واپس کر کے حضرت علیؓ بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

سنہ ۲ھ میں حضرت علیؓ کی شادی حضرت فاطمہؓ سے ہو گئی۔

حضرت فاطمہ رض سے شادی کی درخواست، حضرت ابو بکر رض اور حضرت عمر رض نے بھی کی تھی، لیکن آپ نے حضرت علی رض کو ترجیح دی، اور انہی سے نہایت سادگی کے ساتھ سلطان کونین کی چہیتی بیٹی کی شادی ہو گئی، حضرت فاطمہ رض کی زندگی میں حضرت علی رض نے کوئی دوسری شادی نہیں کی،

مجاہدات

تقریباً تمام غزوات میں حضرت علی رض نے شرکت کی، ذوالفقار علی جب بے نیام ہوئی تو بجلی بن کر کافروں کے خرمن حیات پر گری، بڑے بڑے مانے ہوئے پہلوان اور سورما مقابلہ میں آئے اور مارے گئے، بعض معرکوں میں بڑے بڑے لوگوں کا حوصلہ چھوٹ گیا، لیکن حضرت علی رض شمع نبوت کے گرد پروانہ بن کر طواف کرتے رہے، اور دشمنوں کے سر کاٹتے رہے نہ ان پر ہراس تھا نہ وحشت اسلام کی خاطر وہ اپنی جان ہتھیلی پر لیے رہتے تھے۔

خلافت

حضرت علی رض نے پوری بے نفسی کے ساتھ خلفائے ثلاثہ کی بیعت کی، ان کا ساتھ دیا، انہیں مفید مشورے دیئے، ان کی فکر صائب کا ایک موقع پر حضرت عمر رض نے ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ لولا علی لھلک عمر یعنی اگر علی نہ ہوتے، تو عمر ہلاک ہو جاتا! حضرت عمر جب بیت المقدس تشریف لے گئے، تو حضرت علی رض مدینہ میں رہے اور حضرت عمر رض کی قائم مقامی کرتے رہے،

حضرت عثمان رض کے بعد ۲۳ ذی الحجہ ۳۵ھ کو آپ خلافت پر متمکن ہوئے۔[1]

---

[1] طبری نے ۲۱ رمضان لکھی ہے۔

فتنہ کا آغاز

حضرت علیؓ خلفائے ثلاثہ کی زندگی میں بھی اپنے تقوے، اخلاص، جوشِ عمل، قربانی اور ایثار، فدویت اور جاں نثاری، زہد و عبادت، تہور و شجاعت، تدبر اور اصابتِ فکر و رائے میں کسی سے کم نہیں تھے، اور اب تو کوئی ان کا ہم پایہ بھی نہیں رہ گیا تھا، لہٰذا اُن کی خلافت اور استحقاقِ خلافت سے کسی کو مجالِ انکار نہ تھی۔

حضرت علیؓ کے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بعض صحابۂ کرام نے قصاصِ عثمانؓ کی تجویز پیش کی، حضرت علیؓ نے فرمایا، امن قائم ہولے، حالات سازگار ہو جائیں، تو یہ کام ضرور کیا جائے گا، لیکن مفسد اور فتنہ پسند عناصر نے اس مطالبہ کو نعرہ بنا لیا، اور سازش و بغاوت کی تیاریاں کرنے لگے۔

صلح و جنگ

جنگِ جمل کے سلسلہ میں حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کی نزاع غلط فہمی پر مبنی تھی، وہ بڑی آسانی سے، پورے خلوص اور صداقت کے ساتھ دور ہو گئی، دونوں کے دل ایک دوسرے سے صاف ہو گئے۔

لیکن امیر معاویہؓ کا معاملہ دوسرا تھا، انہوں نے مطالبۂ قصاصِ عثمان کی آڑ لے کر بیعت تک کرنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ حضرت علیؓ کی بیعت عام ہو چکی تھی، لہٰذا انہوں نے منکرینِ بیعت کے خلاف جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

خوارج

حضرت علیؓ ہر اعتبار سے امیر معاویہ کے لشکر کو شکست دے سکتے تھے

لیکن خوارج نے سر اُٹھایا، یہ جماعت پہلے حضرت علیؓ کے ساتھ تھی، پھر "ان الحکم اللہ" کا نعرہ لگا کر مخالفت کرنے لگی، خوارج کی آویزش میں ایسے مصروف ہوئے کہ پورے طور پر شام کی خودسر حکومت پر توجہ نہ کر سکے،

شہادت

۱۷ رمضان ۴۰ھ کو ایک خارجی ابن ملجم نے نماز فجر کے وقت حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ یہ حملہ مہلک ثابت ہوا[1]، اس کے بعد آپ صرف دو روز زندہ رہے، ابن ملجم گرفتار ہو گیا، آپ نے فرمایا، اگر میں مر جاؤں تو اسے قتل کر دینا اگر زندہ بچ گیا تو میں جانوں اور یہ شخص"!

وفات کے وقت لوگوں نے دریافت کیا ہم حضرت امام حسن کے ہاتھ پر بیعت کر لیں؟ آپ نے کہا، "میں کچھ نہیں کہتا، یہ تمہارا کام ہے، جسے چاہو اپنا امیر بنا دو"۔

تقریباً پونے پانچ سال آپ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں، وفات کے وقت ۶۳ سال کے قریب عمر تھی، حضرت امام حسن نے نماز جنازہ پڑھائی اور کوفہ کے دارالخلافہ میں تدفین عمل میں آئی،

دورِ حضرت علیؓ کے وہ اصحاب جن سے علم حاصل کیا جاتا تھا، یہ تھے، حارث المعور۔ ابوالطفیل، عامر بن واثلہ، حبۃ العرنی، رشید الہجری، حویزہ بن مسہرۃ اصبغ بن بناتہ، علیثم، التمار، اور حسن بن علی ——— [1]"

ابن ملجم کے دو اور ساتھیوں نے اسی دن امیر معاویہ اور عمرو بن عاص کو بھی قتل کرنے کا عہد کیا تھا، امیر معاویہ زخمی ہوئے، عمرو بن عاص بچ گئے، اور ابن ملجم کی طرح، اس کے دونوں ساتھی بھی قتل کر دیئے گئے!

---

[1] طبری۔

انتخاب!

خلیفہ یا امیر کے طریقۂ انتخاب کے بارے میں اسلام خاموش ہے اصل بات یہ ہے کہ اصولی باتیں قرآن میں اور حدیث میں محکم طور پر بیان ہوئی ہیں، تفصیل ہمیشہ حالات مصالح اور وقت کی تابع ہوتی ہے اسے امت پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ جس طرح موزوں سمجھے عمل کرے۔

خلیفہ یا امیر کے بارے میں اسلام یہ تو بتاتا ہے کہ اس پر عوام کو اعتماد ہونا چاہئے، اسے عوام کے رجحانات کا بشرطیکہ وہ دین سے معارض نہ ہوں پاس اور احترام کرنا چاہئے، مگر اسی طرح عوام کے لیے یہ تاکید ہے کہ امیر اور خلیفہ جب تک قرآن اور حدیث کے خلاف اقدام نہ کرے اس کی اطاعت فرض ہے، لیکن اگر وہ زعم حکومت میں حدود سے تجاوز کرے، تو صاف تصریح موجود ہے، لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق

آں حضرتؐ نے جب اس دنیا سے پردہ فرمایا، تو کسی شخص کے لیے کوئی وصیت نہیں کی، مہاجر اور انصار نے حضرت عمرؓ کی تحریک پر حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ منتخب کرلیا،

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنی جانشینی کے لیے "منتخب"، کیا پھر عوام سے اپنی رائے کی توثیق کرالی، پھر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

حضرت عمرؓ نے چند آدمیوں کو منصب اور خلافت کا اہل سمجھا، جن میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بھی تھے خلیفہ کے انتخاب کی ذمہ داری، ارباب حل وعقد کی ایک جماعت پر ڈالی، اس نے حضرت عثمانؓ کو منتخب کرلیا، اور وہ خلیفہ ہوگئے۔

حضرت عثمانؓ شہید ہوئے، وہ اس سلسلہ میں کوئی اقدام نہ کر سکے، اہل مدینہ اور متعدد جلیل القدر صحابہ کرام کے اصرار سے حضرت علیؓ نے خلافت کا بارگراں اپنے دوشِ مبارک پر رکھا اور تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ امیر معاویہ نے بیعت سے انکار کر کے طغیان و سرکشی کا دروازہ کھولا ؛

اصلاحات نظم و نسق مملکت

خلافت راشدہ کا نظام حکومت مبنی تھا خوفِ الٰہی پر، اُس کی بنیاد اور اساس یہ تھی کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں خدا اُسے دیکھ رہا ہے، ہم جو کچھ کریں گے خدا کے ہاں اُس کی جواب دہی کرنا پڑے گی، ہم نے جو کچھ کیا اس کی ذمہ داری صرف ہم پر ہے، اور اس ذمہ داری سے ہمیں کوئی نہیں بچا سکتا، یہی وجہ ہے کہ خلافت راشدہ کے سارے دور میں بھی کہیں وہ کمزوری نظر نہیں آتی، جو بادشاہوں، ڈکٹیٹروں اور جمہوریت کے علمبرداروں میں نظر آتی ہے،

یزید بن ابی سفیان کو جب شام کی مہم پر حضرت ابو بکرؓ نے مامور کیا، تو فرمایا — "اے یزید، تمہاری قرابت داریاں ہیں، شاید ان کو تم اپنی امارت سے فائدہ پہنچاؤ، درحقیقت یہی سب سے بڑا خطرہ ہے، جس سے میں ڈرتا ہوں۔ رسول اللہ نے فرمایا، جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہو اور ان پر کسی کو بلا استحقاق محض رعایت کے طور پر افسر بنائے، تو اس پر خدا کی لعنت ہو"[1]!

ابو بکرؓ نے اپنے دورِ حکومت میں آں حضرتؐ کے مقرر کیے ہوئے گورنروں کو بحال رکھا، اور حکومت کے دوسرے شعبے ممتاز صحابہ کے سپرد کر دیے مالیات کا شعبہ ابو عبیدہ اور عدالت کا محکمہ عمرؓ کے حوالہ کر دیا، حکومت اسلامیہ کا شہری نظام سب سے پہلے عمرؓ نے قائم کیا تھا، انہوں نے ہر صوبہ پر ایک

گورنر کا تقرر کیا، جو ان کے ہدایات کے ماتحت حکومت کرتا تھا، خلیفہ کو عاملہ وعدلیہ اور انتظامیہ کے کلی اختیارات حاصل تھے، خراج کا افسر، مالیات کا سب سے بڑا افسر تھا، گورنر نظم ونسق میں مختار تھا، اور خراج کا افسر مالیات کے محکمہ کا مستقل حاکم تھا، مالیات کے افسر کا تقرر خلیفہ کے اختیار میں تھا عثمان رضہ نے بھی عمر رضہ کی پالیسی اختیار کی [۱]۔"

حضرت عمر رضہ نے سب سے پہلے صرف دولت، کو ایک منظم شکل دینے کے لیے دفاتر قائم کیے، یہ دفاتر مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے تھے - فوج میں سپاہیوں اور ان کی تنخواہوں کی باقاعدہ فہرست رہتی تھی، دیوانی خراج میں ریاست کی آمدنی اور اس کے آمد وصرف کا حساب رہتا تھا [۱]۔"

"عہد جاہلیت میں جنگ کے وقت قبیلہ کے افراد تلواریں، نیزے اور کمانیں لے کر نکلتے۔ اور حریف سے مقابلہ کرتے، جنگ کے بعد اپنے گھر واپس آجاتے اور کاروبار میں لگ جاتے، اسلام نے عربوں کی شیرازہ بندی کی، عمر رضہ نے فوج کو ایک منظم شکل دی، اور فوجی نظم ونسق کے لیے دیوانی فوج قائم کی [۲]!"

پولیس کا نظام

حضرت علی رضہ کے عہد میں باقاعدہ پولیس کا نظام قائم ہوا، اس محکمہ کے سب سے بڑے افسر کو "صاحب شرط" کہا جاتا تھا [۳]!

"آں حضرتؐ اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں مجرم کو ایک گھر یا مسجد میں بند کر دیا جاتا تھا، قید خانہ کا رواج حضرت عمر رضہ کے زمانہ میں ہوا، پھر بار بار قائم

---

[۱]، [۲] النظم، [۳] النظم اسلامیہ۔

رہا ہے[1]"!

جس شخص کا تقرّر کسی بڑے منصب پر ہوتا تھا، اسے ایک پروانہ دیا جاتا تھا، جس میں اس کے اختیارات کا ذکر ہوتا تھا، جہاں اس کا تقرر ہوتا تھا، وہاں ایک مجمع عام میں یہ پروانہ پڑھ کر سنایا جاتا تھا، اور اسی سے عہد لیا جاتا تھا کہ "وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے۔ اہلِ حاجت کے لیے اپنا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔"

بحری بیڑہ

حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں بحری جنگ پر زیادہ توجہ کی گئی، چنانچہ امیر معاویہ، اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی کوششوں سے تھوڑی سی مدت کے اندر، اسلام کا بحری بیڑہ اتنی ترقی یافتہ حالت میں پہنچ گیا کہ ۳۱ھ میں جب قیصر روم نے چھ سو بحری جہازوں کا قافلہ لے کر شام پر حملہ کیا، تو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے رومۃ الکبریٰ کے اس عظیم الشان بحری بیڑے کو ایسی ذلت بخش شکست دی کہ اس کا منہ ہمیشہ کے لیے پھر گیا۔

تعمیراتِ عامہ

عام پبلک کے فائدے کے لیے عہد عثمانی رضؓ میں بہت سی عمارتیں تعمیر ہوئیں! پل بنائے گئے، سڑکیں تیار کرائی گئیں، مہمان سرے کی بنا پڑی، دیوان، اور دفتر کے لیے عمارتیں عالم وجود میں آئیں، مسجد نبوی کی بھی توسیع ہوئی!

تعمیر کا تعلق دراصل اس مدنیت سے ہے، جو سادگی کی ضد ہے اور یہ مدنیت پیدا ہوتی ہے، خود پسندی، اور خدا فراموشی سے اسلام جب تک اصلی حالت میں باقی رہا، مسلمانوں کا ذوقِ تعمیر نہیں ابھرا، جب اسلام کی سادگی فراموش ہوگئی، تو دوسرے جذبے اُبھرنے لگے۔

---

[1] کتاب الخراج۔

مشورت، جمہوریت اور عوامیت

جمہوریت اور عوامیت (ڈیموکریسی اینڈری پبلک) ان دو اصطلاحات نے دُنیا کو بڑے مغالطہ اور فریب میں مبتلا کر رکھا ہے،

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب اور عوامیت کا حال بھی سوا اس کے کیا ہے کہ

جس کے پردے میں نہیں غیر از نوائے قیصری!

لیکن بغیر اس اصطلاح کو استعمال کیے ہوئے اسلام کے عہد خلافت راشدہ میں جمہوریت اور عوامیت کا جو دل آویز منظر نظر آتا ہے، وہ دُنیا نے پھر کبھی نہیں دیکھا، اور اس وقت تک نہیں دیکھ سکے گی، جب تک جارج برنارڈ شا کے الفاظ میں (BACKTOMOD) محمدؐ کی طرف رجعت نہ کی جائے،

ذیل میں چند واقعات و امثال ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔

—"جب کوئی معاملہ پیش آتا تھا تو حضرت ابوبکرؓ اہل الرائے اور فقہائے صحابہ سے مشورہ کرتے تھے، اور مہاجرین و انصار میں سے چند ممتاز صحابہ حضرت عمرؓ عثمانؓ علیؓ عبدالرحمٰنؓ بن عوف، معاذؓ بن جبل، ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابت کی مجلس مشورت طلب کرتے تھے —[1]!

مشورت

آں حضرتؐ ابوبکرؓ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے، حضرت ابوبکرؓ عمرؓ

---

[1] تاریخ اسلام بحوالہ طبقات ابن سعد۔

سے عمر رضؓ کے عہد میں عثمانؓ اور علیؓ کی حیثیت وزراء کی تھی، اس زمانہ میں خلیفہ نظم مملکت میں مجلس شیوخ سے مشورہ کرتا تھا، یہ مجلس بڑے بڑے صحابہ اعیان قوم، اور سردارانِ قبائل پر مشتمل تھی، اس کا اجلاس مسجد نبوی میں ہوتا تھا [۱]!"

خلفائے راشدین نے ملاقات کی عام اجازت دے رکھی تھی، چنانچہ ہر شخص بے تکلف ان کے پاس جا سکتا تھا کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی [۲]!

مجاہدات اور فتوحات

خلافت راشدہ کا دور، مجاہدات و فتوحات کے اعتبار سے ممتاز و منفرد ہے، مختصر طور پر چند خاص مہمات کا ذکر ہم کرتے ہیں،

فتح عراق

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ بن ولیدؓ کو فتح عراق پر مامور فرمایا، وہ فتح کا پرچم لہراتے ہوئے ابلہ پہنچے، عراق کا ایرانی حاکم ہرمز مقابلہ کے لیے نکلا، ایرانیوں نے اپنے پیروں کو زنجیروں سے جکڑ لیا تھا کہ میدان سے منہ مڑنے نہ پائے، لیکن ایرانیوں نے شکست فاش کھائی، ہرمز مارا گیا، اردشیر نے بہت بڑی فوج مدد کے لیے بھیجی، حضرت خالدؓ نے اس سے بھی مقابلہ کیا، دشمن کی تیس ۳۰ ہزار سپاہ کام آئی، اور بڑے بڑے افسر مارے گئے!"

متعدد شہروں کو فتح کرتے ہوئے حضرت خالدؓ حیرہ پہنچے، ایرانی محاصرہ کی تاب نہ لا سکے، ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ پر صلح کر لی!

۱ء، ۲ء النظم الاسلامیہ

عین التمر

اور متعدد مقامات فتح کرنے کے بعد حضرت خالدؓ نے انبار کا معرکہ سر کیا۔

دومۃ الجندل

حضرت خالد رضؓ کا فتح مند لشکر پھر آگے بڑھا، اور دومۃ الجندل کا محاصرہ کر لیا، یہاں عراق اور شام کی سرحدیں ملتی تھیں، دومۃ الجندل کے حاکم جودی نے جو عیسائی تھا مقابلہ کیا، شکست کھائی، اور مارا گیا، حضرت خالد رضؓ نے پھاٹک توڑ کر قلعہ پر قبضہ کر لیا،

فراض

حضرت خالدؓ نے بعض دوسرے مقامات فتح کرنے کے بعد، فراض کے فتح کرنے کا ارادہ کیا، — یہاں شام، عراق، اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں، اس لیے رومی بھی ایرانیوں کے ساتھ مل گئے، اگرچہ اس جنگ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں تین تین طاقتیں تھیں، لیکن تینوں نے شکست فاش کھائی، پیچھے دریا تھا سامنے مسلمان، بھاگنے کا راستہ نہ ملا، دُشمن کی فوج بالکل برباد ہو گئی۔

اجنادین کی فتح

حضرت ابوبکر رضؓ نے عمرو بن العاص کو فتح فلسطین پر مامور کیا تھا، اجنادین کے مقام پر بہت بڑی رُومی فوج موجُود تھی، لیکن مسلمان غالب آئے — ۲۸ جمادی الاول سنہ ۱۳ھ

جنگ قادسیہ

حضرت عمر رضؓ نے سنہ ۱۴ھ سعدؓ بن ابی وقاص کی سرکردگی میں بیس ہزار کا ایک لشکر ایرانیوں کے مقابلہ کے لیے بھیجا، مقابلہ میں رستم کا لشکر تھا، ایرانی فوجوں کی تعداد حد شمار سے خارج تھی، نماز ظہر کے بعد لڑائی شروع ہوئی رات

گئے، تک جاری رہی، دوسرے روز پھر بڑے زور کا رن پڑا، اس معرکہ میں دس ہزار ایرانی ہلاک ہوئے، دو ہزار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا، لیکن لڑائی کا فیصلہ نہ ہو سکا، تیسرے دن فیصلہ کن لڑائی شروع ہوئی۔ آج ایرانیوں نے سب سے زیادہ زور ہاتھیوں پر دیا، مسلمان سپاہی اپنے نیزے لے کر ان ہاتھیوں پر پل پڑے، نیزے ہاتھیوں کی آنکھ پر پڑتے اور وہ چنگھاڑتے ہوئے پیچھے ہٹتے، ایک بزرگ حضرت قعقاعؓ نے نشان کے ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ اُس کی سونڈ کٹ کر گر پڑی، وہ بھاگا، اور اس کے پیچھے پیچھے تمام ہاتھی بھی بھاگ کھڑے ہوتے، اب گھمسان کی لڑائی اور دست و بازو کا معرکہ شروع ہوا، سارا دن جنگ کے عالم میں گذرا، ساری رات اسی حالتِ جنگ میں گذر گئی، دوسرے روز دو پہر ڈھل جانے کے بعد ایرانیوں کا مایہ ناز سپہ سالار رستم ہلاک ہو گیا، اب ایرانی فوج میدانِ جنگ میں نہ ٹھہر سکی، بھاگ کھڑی ہوئی۔ اور اس طرح ایران کی صدہا برس کی عظمت خاک میں مل گئی، قادسیہ کی جنگ نے، ایران کی قسمت پر ہمیشہ کے لیے مہر لگا دی، تیس ۳۰ ہزار سے زیادہ ایرانی کھیت رہے،

مدائن کا معرکہ

لیکن نہیں! ——— ابھی تک ایک آخری معرکہ، اور ناقابلِ فراموش مرحلہ اور باقی تھا! وہ تھا مدائن، نوشیرواں اور یزدگرد کے پایۂ تخت اور مجوسیوں کی عظمت و جلال کے مرکز کا سقوط!

چند چھوٹی چھوٹی جنگوں کو سر کرنے کے بعد مسلمانوں کا لشکر مدائن کے سامنے پہنچ گیا، ایرانیوں نے مسلمانوں کے اقدام کو روکنے کے لیے چال یہ چلی کہ دریائے دجلہ کے پل کو توڑ دیا، کشتیاں ہٹا دیں، لیکن یہ روک مسلمانوں کے لیے کوئی معنی نہ

رکھتی تھی، ان کا سیل زمین گیر، ان رکاوٹوں کو کب خاطر میں لاتا تھا، یہ منظر دیکھ کر سپہ سالار لشکر اسلام سعدؓ بن وقاصؓ نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا،

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے!

سالار لشکر کا یہ اقدام دیکھ کر ساری فوج دریا میں اتر گئی، یہ لوگ آپس میں باتیں کرتے ہوئے، ہنستے مسکراتے ہوئے پار پہنچ گئے، ایرانیوں کے تصور میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ ایسے جیالے، اور دلاور لوگ بھی ہو سکتے ہیں، جو یوں دریائے ذخار کو پار کرلیں، ان پر مسلمانوں کی دہشت بیٹھ گئی، انہیں مافوق الانسان سمجھنے لگے مسلمانوں کو کنارے پر اترتا دیکھ کر دفعۃً ان کے منہ سے نکلا۔ "دیواں آمدند، دیواں آمدند"! اور بھاگ کھڑے ہوئے، یزدگرد کو یہ خبر ملی تو وہ بھی بھاگ کھڑا ہوا، اب مدائن مسلمانوں کا انتظار کر رہا تھا، چنانچہ صفر ۱۶ھ میں سعدؓ بن ابی وقاص اپنا لشکر لے کر مدائن میں داخل ہوئے، جمعہ کا مبارک دن تھا کسریٰ کے ایوان شاہی میں اس کے تخت جلال وکبریائی کی جگہ خدا کے بندے خضوع وخشوع کے ساتھ سجدے میں جھک گئے،

کروڑوں روپے کا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا، اور ایرانی عظمت وجلال کی داستان ہمیشہ کے لیے ایک افسانہ پارینہ بن گئی۔ ؎

پردہ داری می کند بر قصر کسریٰ عنکبوت

بوم نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

یہ شاعری نہیں حقیقت ہے، ٹھوس اور ناقابل تردید حقیقت!

جنگ سے پہلے اتمام حجت کے لیے مسلمانوں نے یزدگرد اور رستم سے ملاقات کرکے قبول اسلام کی دعوت دی تھی، تو یزدگرد نے کہا تھا، "اگر سفیروں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ یہاں سے واپس نہ جاتا،

! اور "کل" رستم نے جواب دیا تھا ـــــ" آفتاب و ماہتاب کی قسم تم سب کو خاک میں ملا دوں گا"!

لیکن وہ یزدگرد کہاں ہے ؟

وُہ رستم کیا ہوُا ؟

اور وہ پیوند لگے کپڑے پہننے والے عرب کہاں سے کہاں پہنچ گئے ؟

طے شود جادہ صد سالہ بر آہے گاہے !

چند اور معرکے

اب مسلمانوں کا لشکر تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے لگا، اور تھوڑی مدت میں ایرانیوں کے دوسرے مراکز، جلولا، حلوان، تکریت اور پھر ۱۷ھ میں رقہ، حران، نصیبین، سماط وغیرہ مقامات فتح کرکے جزیرہ کا پُورا علاقہ فتح کر لیا، کچھ ہی عرصہ کے بعد خوزستان کے پورے علاقہ پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا، شوستر کے مقام پر ہرمزان نے مقابلہ کیا، بعد میں وہ مسلمان ہوگیا، اور حضرت عمر رضؓ نے اُس کے ساتھ حسن سلوک سے کام لیا،

نہاوند

یزدگرد ابھی زندہ تھا، اور اپنی فتنہ سامانیوں سے باز نہ آتا تھا، اُس نے پھر ایرانیوں کی ایرانی عصبیّت سے اپیل کی، ڈیڑھ لاکھ کا لشکر جمع ہوگیا مردان شاہ سپہ سالار بنا اور نہاوند میدان جنگ قرار پایا۔، یہاں پھر بڑی خونریز جنگ ہوئی، تیس ۳۰ ہزار سے زیادہ ایرانی قادسیہ کی طرح یہاں بھی ہلاک ہوئے، ہزاروں مسلمان شہید ہوئے، لڑائی سے پہلے مردان شاہ نے حضرت مغیرہؓ اسلامی سفیر سے سراپا پندار و نخوت بن کر کہا تھا ـــــ

" دنیا میں سب سے زیادہ ناپاک اور نجس قوم جو ہو سکتی ہے وہ تم عرب ہو

تم اتنے ذلیل ہو کہ ہم اپنے تیر بھی تمہارے ناپاک خون سے آلودہ نہیں کرنا چاہتے "۔ اور مغیرہؓ نے جواب دیا تھا — "ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے، جب تک تمہارے اس ملک کو نہ فتح کر لیں، یا قتل نہ ہو جائیں"

فتح ایران

۲۱ھ میں عبداللہ بن عبداللہ نے اصفہان فتح کر لیا، ۲۲ھ میں ہمدان قزوین اور زنجان کے علاقے فتح ہو گئے، پھر نعیم بن مقرن نے رے پر قبضہ کر لیا، اور ان کے بھائی سوید نے قومس کو فتح کر لیا، ۲۳ھ میں طبرستان کے سارے علاقہ نے سر اطاعت خم کر دیا، یہی حشر آرمینیہ اور آذربائیجان کا ہوا۔

خراسان

اسی سنہ (۲۲ھ) میں احنفؒ، یزدگرد کے مرکز مرو کی طرف بڑھے، ہرات فتح کیا، بلخ پر قبضہ کیا، نیشاپور کو زیر نگیں کیا، گویا سارا خراسان قبضہ میں آگیا، یزدگرد خاقان چین کے ہاں بھاگ گیا، ایرانیوں نے احنف سے صلح کر لی، اور امن و عافیت راحت و آسائش کی زندگی بسر کرنے لگے،

۲۳ھ میں فارس کی طرف مسلمانوں کا لشکر بڑھا، اور بہت جلد توج، اصطخر شیراز اور فارس کے دوسرے اہم مقامات سرنگوں ہو گئے، اسی سنہ میں کرمان فتح ہوا، اور سیستان نے اطاعت قبول کر لی،

فتح دمشق

اجنادین سے فارغ ہو کر خالد ابوعبیدہ کی شرکت میں دمشق کا محاصرہ کیا کئی ماہ تک محاصرہ رہا، اسی اثناء میں ابوبکرؓ وفات پا گئے، ایک روز خالد کمند کے ذریعہ چند فداکاروں کو ساتھ لے کر فصیل کی دیوار پر چڑھے، پھر شہر کے اندر

پہنچ گئے، محافظوں کو قتل کیا، پھاٹک کھول دیئے، مسلمان سپاہی فوراً اندر داخل ہو گئے، دمشق کے عیسائیوں کو اس یک بیک حملے نے حواس باختہ کر دیا، وہ دوسری طرف سے دوڑے دوڑے ابو عبیدہؓ کے پاس گئے، اور صلح کی التماس کی، وہ خالدؓ کی ترک تازیوں سے بے خبر تھے، صلح منظور فرمالی، اب صورت حال یہ تھی کہ ایک سمت سے خالد فاتحانہ اپنے لشکر سمیت داخل ہوئے، دوسری طرف سے ابو عبیدہؓ مصالحانہ، اس طرح ۱۴ھ میں دمشق پورے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا پھر اسی سنہ میں اردن کا پورا صوبہ ایک زبردست جنگ کے بعد فتح ہو گیا، یہاں بھی عیسائیوں کو شکست کے سوا کچھ نہ ملا، پھر اور آگے بڑھ کر حمص اور بعلبک وغیرہ بھی سرنگون ہو گئے، یہاں بھی اسلام کا پھریرا لہرانے لگا، اسی سال ابو عبیدہ کے ہاتھوں، عیسائیوں کا ایک اور بہت بڑا مرکز لاذقیہ بھی فتح ہو گیا۔

جنگ یرموک

مسلمانوں کی فاتحانہ یلغار، اور رومیوں کی پسپائی اور حیرت نصیبی دیکھ کر ہرقل قیصر روم نے اپنے پایۂ تخت انطاکیہ میں بیٹھ کر پوری قوت و طاقت کے ساتھ ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ کا فیصلہ کر لیا، اس نے مذہب کے نام پر منتشر اور پراگندہ عیسائیوں کو مجتمع کیا اور دو لاکھ سے زیادہ لشکر فراہم کر لیا، مسلمانوں کا لشکر ۳۰، ۳۵ ہزار سے زیادہ نہ تھا،

مسلمان بھی یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ وہ وقت کی دو بڑی مہذب، متمدن لیکن خدا فراموش قوموں ___ ایرانیوں اور رومیوں یعنی عیسائیوں اور مجوسیوں ___ سے فیصلہ کن جنگ کر کے رہیں گے وہ بھی تیار ہو گئے، یرموک کا میدان کارزار قرار پایا، یہ رجب ۱۵ھ کا واقعہ ہے۔

عیسائیوں نے اس جنگ کو ہر قیمت پر جیتنے کا عزم کر لیا تھا، وہ بطریق اور راہب جو ترک دُنیا کر چکے تھے، تلواریں اور نیزے لے لے کر مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے، کئی ہزار رُومیوں نے اپنے پاؤں میں بیڑیاں پہن لی تھیں، کہ بھاگنا چاہیں تو بھی نہ بھاگ سکیں، اس جنگ میں عرب کے چیدہ چیدہ بہادر اور سردار شریک تھے، ایسے معرکہ کی جنگ اس سرزمین پر کبھی نہیں ہوئی تھی،

یہ ایسی لڑائی تھی کہ زمین دہل اُٹھی، اور آسمان کانپنے لگا، رُومیوں کے تقریباً ایک لاکھ آدمی مارے گئے، تین ہزار کے قریب مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا ۔

اس جنگ نے رُومیوں کی کمر توڑ دی، ہرقل نے انطاکیہ میں یہ خبر سُنی تو شام کو الوداع کہا، اور باصد حسرت و ناکامی قسطنطنیہ چلا گیا،

فتح بیت المقدس

سنہ ۱۶ھ میں عمروؓ بن العاص نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا، عیسائیوں نے صلح کی درخواست کی، اور التماس کی کہ عمرؓ خود آکر معاہدہ صلح لکھیں، رجب سنہ ۱۶ھ میں حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر، وہ بیت المقدس روانہ ہوئے جابیہ کے مقام پر عہد نامۂ امن و صلح لکھا گیا، اس سے فارغ ہو کر وہ بیت المقدس پہنچے، وہی سادہ لباس جس میں پیوند لگے ہوئے تھے، لیکن عظمت و جلال کا یہ عالم کہ بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں خم تھیں !۔

شمالی افریقہ اور قبرص

سنہ ۲۷ھ میں ابن ابی سرح والیٔ مصر نے عثمانؓ کی اجازت سے شمالی افریقہ پر حملہ کیا، طرابلس الغرب کے حدود میں وہاں کا فرماں روا جرجیر سوا لاکھ فوج

کے ساتھ مقابل ہوا، کافی عرصہ تک جنگ جاری رہی، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا، پھر عثمانؓ نے عبداللہ بن زبیر کی سرکردگی میں ایک اور فوج بھیجی، انہوں نے ایسا دباؤ ڈالا کہ طرابلس الغرب فتح ہوگیا، پھر ٹیونس، مراکش، الجزائر اور دوسرے ملحقہ علاقے بھی زیرِ نگیں ہوگئے، اسی سال امیر معاویہ نے جو اب عہد عثمانی میں پورے شام کے والی بن چکے تھے، (سنہ ۳۲ھ) میں قبرص پر مکمل قبضہ کر لیا،

عجم سے کابل تک

سنہ ۲۹ھ میں سارے عجم میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے، عبداللہؓ بن عامر نے اس مہم کو سر کرنے کا بیڑہ اٹھایا، فارس پر دوبارہ قبضہ کرلیا، طبرستان کی بغاوت سعیدؓ بن العاص نے فرو کی، پھر سارا طبرستان فتح کرلیا۔ یہ سنہ ۳۰ھ کا واقعہ ہے عبداللہ بن عامر نے اسی سال خراسان کی بغاوت کو دبایا، نیشاپور پر قبضہ کرلیا یزدگرد پھر ادھر آگیا تھا، وہ مارا گیا، ابن عامر کے حسبِ ہدایت عبدالرحمٰن بن سمرہ نے سجستان کو جیتا، پھر کابل کی طرف بڑھے، وہ دوار کے باشندوں کو سرنگوں کیا، پہاڑ پر ٹھوس سونے کا ایک بُت تھا، اس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں، عبدالرحمٰنؓ نے اس کے ہاتھ کاٹ کر آنکھیں نکال لیں، پھر وہاں کے مرزبان کو واپس کر دیا، اور کہا مقصود صرف یہ دکھانا تھا کہ بت نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے پھر ابن عامر کے حسب الحکم عبدالرحمانؓ نے غزنہ سے لے کر کابل تک کا علاقہ فتح کرلیا۔

مصر و اسکندریہ کی فتح

سنہ ۲۰ھ میں عمروؓ بن العاص نے فسطاط کا محاصرہ کرلیا، فرمانروائے مصر مقوقس (قبطی) تھا، سات مہینے تک محاصرہ جاری رہا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا، آخر زبیر کی حسنِ تدابیر اور فراست سے یہ قلعہ فتح ہوگیا، مقوقس نے صلح کی درخواست

کی جو منظور کر لی گئی، اور بغیر کشت و خون کے مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ۔

اس صلح سے ہرقل بہت برہم ہوا اور ۲۱ ھ میں رومیوں کا ایک لشکر گراں اسکندریہ روانہ کر دیا، لیکن مقوقس نے ہرقل کا ساتھ نہیں دیا۔ بالآخر یہاں بھی رومیوں کو ذلت بخش شکست ہوئی، اور اسکندریہ فتح ہو گیا، عیسائیوں کو اجازت دی گئی کہ خواہ اسلام قبول کریں یا اپنے مذہب پر قائم رہ کر جزیہ دیں، بہت سے مسلمان ہو گئے، بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے، ۔

شجاعت اور جانبازی

۱۳ھ میں حضرت عمرؓ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے، ان کے مسندِ خلافت پر بیٹھتے ہی ان کی طرف سے شورش اور بغاوت کے مظاہرے شروع ہو گئے، مشہور ایرانی سپہ سالار رُستم نے مردان شاہ کو تازہ دم فوج کے ساتھ درفش کاویانی کے سایہ میں روانہ کیا کہ وہ مسلمانوں سے لڑے، اور ان کا استیصال کر دے، مردان شاہ نے دریائے فرات کے ساحل پر اپنی فوجیں اتار دیں، دریا کے دُوسری جانب مسلمانوں کا لشکر تھا۔ مروان شاہ کی ہمت نہ پڑی کہ دریا پار کر کے مسلمانوں سے بھڑ جائے، لیکن سالارِ جیشِ اسلام ابو عبید ثقفی جو جوشِ شہادت سے مخمور تھے اُنھوں نے رُفقاء و شرکا کی رائے بھی نہ سُنی، اور اپنے لشکر سمیت فرات پار کر کے دُشمن کے سامنے پہنچ گئے، لڑائی چھڑ گئی۔ ایرانی فوج میں ہاتھیوں کی بھی ایک قطار تھی، ان ہاتھیوں سے عرب کے گھوڑے پہلی بار آشنا ہوئے تھے۔ وہ بھڑکے مسلمانوں نے گھوڑوں کو چھوڑا، اور پیادہ پا میدان مصاف میں اپنی تلوار کے جوہر دکھانے لگے اُنھوں نے تلواروں سے ہودوں کی رسیاں کاٹ دیں، اور ہاتھی سوار دھڑا دھڑ گرنے لگے، ابو عبیدؓ ثقفی نے بڑھ کر ایک

ہاتھی پر وار کیا، لیکن خالی گیا، ہاتھی نے اُنہیں سونڈ میں لپیٹا اور کچل دیا، وہ شہید ہوگئے، ــــــ شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن،

اور اس طرح شہید ہو کر اُنہوں نے آنے والی فوجوں اور مجاہدوں کے سامنے شجاعت اور جانبازی کی ایک نہ بھولنے والی تاریخ پیش کر دی،

نعمان بن عقرن

نہاوند کی لڑائی، زور شور سے جاری تھی، ایرانی بڑے ثبات و استقلال سے لڑ رہے تھے، یہ اُن کی زندگی اور موت کی جنگ تھی، مسلمانوں کی فداکاری اور جانثاری بھی اپنے شباب پر تھی، اسی جنگ کے دوران میں سالار لشکر اسلام نعمان بن عقرن نے بڑی بہادری سے جان دی،

حضرت قباث

اسی جنگ میں ــــ قباث کے ہاتھ سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ کر گرتے جاتے تھے، مگر ان کے تیور پر بل نہ آتا تھا، نیزہ ٹوٹ کر گرتا تو کہتے کوئی ہے جو اس شخص کو ہتھیار دے جس نے خدا سے اقرار کیا ہے کہ میدان جنگ سے مر کر ہٹے گا؟ لوگ فوراً تلوار یا نیزہ ان کے ہاتھ میں لا کر دے دیتے، اور پھر وہ شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے،

حباش بن قیس

حباش بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے، بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے اسی اثنا میں کسی نے اُن کے پاؤں پر تلوار ماری، ایک پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا، حباش کو خبر تک نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ میرے پاؤں کو کیا ہوا؟ اُن کے قبیلہ کے لوگ ہمیشہ اس واقعہ پر فخر کرتے تھے۔

زبیرؓ بن العوام

محاصرے کو سات مہینے کی طویل مدت گذر گئی، مگر فسطاط کا قلعہ فتح نہیں ہوا عمرو بن العاصؓ عاجز آ گئے، تنگ آ کر کہا، آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں، یہ کہہ کر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہ نے ساتھ دیا، سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کئے، ساتھ تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین ہل گئی، عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے، بدحواس ہو کر بھاگے، ادھر زبیرؓ نے قلعہ سے اُتر کر دروازہ کھول دیا، تمام فوج اندر گھس گئی، مقوقس نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی، اور اسی وقت سب کو امان دے گئی!

عکرمہ بن ابوجہل

جنگ یرموک میں عکرمہ نے جو ابوجہل کے فرزند تھے، فوج کی طرف دیکھا اور کہا، مرنے پر کون بیعت کرتا ہے"؟ چار سو شخصوں نے بیعت کی، ان سب نے اس ثابت قدمی سے لڑائی لڑی کہ تقریباً سب کے سب وہیں کٹ کر رہ گئے۔

ذمّی

ذمّی یا اہلِ ذمہ وہ غیر مسلم ہے جو مسلمانوں کا مذہب قبول نہیں کرتا لیکن اُن کی حفاظت میں آ جاتا ہے، وہ مسلم حکومت میں رہتا ہے، اس کی جان و مال کی حفاظت کی جاتی ہے، اس سے فوجی خدمت نہیں لی جاتی، اور اگر وہ فوجی خدمت کرے، تو جزیہ ساقط ہو جاتا ہے، اسے اپنے مذہبی معاملات میں پوری آزادی ہوتی ہے۔

اسلام نے ذمیوں کو کیا حقوق دیئے ہیں؟ اور ان حقوق پر عہد خلافت راشدہ میں کس طرح عمل ہوا اسے ہم مختصر طور پر ذیل میں بیان کرتے ہیں،

حضرت خالد نے اہل حیرہ سے محاصرہ کے بعد ان کی درخواست پر صلح کر لی، اور جو صلح نامہ لکھا وہ یہ تھا، ــــ "اہل حیرہ ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ ادا کریں گے، (ہم (مسلمان) اس کے معاوضہ میں ان کی حفاظت کریں گے، اگر ان کی حفاظت نہ کر سکیں تو! یہ رقم ان پر واجب نہ رہے گی، اور اگر وہ بدعہدی کریں، تو ہم بری الذمہ ہیں ــــ"!

حضرت ابوبکرؓ نے از روئے معاہدہ حیرہ کے عیسائیوں کو جو حقوق مرحمت فرمائے وہ یہ تھے ــــ "ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم نہ کیے جائیں نہ ان کا کوئی ایسا قصر گرایا جائے، جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہوں، ناقوس بجانے کی ممانعت نہ ہو گی، نہ تہوار کے موقع پر صلیب نکالنے سے روکے جائیں گے ــــ"!

حمص کے عیسائی

۱۵ھ میں جنگ یرموک کی تیاریوں کے وقت جنگی مصالح کے ماتحت سالار عسکر اسلام ابو عبیدہ نے فیصلہ کیا کہ اپنے مفتوحہ مقام حمص کو چھوڑ کر دمشق کو مرکز بنائیں ــــ جب یہ فیصلہ ہو چکا تو ابو عبیدہ نے حبیب بن مسلمہ کو جو افسر خزینہ تھے بلا کر کہا، اس وقت ہم عیسائیوں کی حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکتے، اس لیے جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے، سب واپس کر دو، چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی واپس کر دی گئی، عیسائیوں پر اس واقعہ کا اتنا اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے خدا تم کو واپس لائے، یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا انہوں نے کہا توراۃ کی

قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر، حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا۔[1]

کیا آج بھی فاتح حکومتیں، مفتوح ملکوں اور ملتوں کے ساتھ یہی برتاؤ کرتی ہیں؟

غور سے سنو ــــ جاپان کے ناگاساکا اور ہیروشیما کیا جواب دیتے ہیں؟ جرمنی کیا کہتا ہے؟ کوریا سے کیا صدا آ رہی ہے یا ــــ یا ــــ جاپان کے دو لاکھ سے زیادہ بن باپ کے بچے کیا فریاد کر رہے ہیں؟ جرمنی کی عصمت دریدہ دوشیزائیں کیوں رو رہی ہیں؟ کوریا کے خرابے اور کھنڈر کیا پکار رہے ہیں؟

پھر بھی، ہم غیر مہذب تھے، اور وہ مہذب ہیں۔

جنوں کا نام خرد پڑ گیا خرد کا جنوں!

عمرؓ کا عہد نامہ

فتح بیت المقدس کے بعد حضرت عمرؓ نے جو عہد نامۂ صلح لکھ کر مفتوح قوم کے حوالہ کیا اس کا خلاصہ:-

"یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المؤمنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان و مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار، اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے، کہ نہ اُن کے گرجاؤں میں سکونت کی جائے، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ اُن کو یا اُن کے احاطوں کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، نہ اُن کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان و مال لے کر نکل جانا چاہے تو وہ بھی مامون ہے، تا آنکہ وہ اپنی جائے پناہ تک نہ پہنچ جائے۔

[1] الفاروق بحوالہ کتاب الخراج

اس تحریر پہ خدا، رسول، خلفا، اور مسلمانوں کا ذمہ ہے، اس پہ خالدؓ بن ولیدؓ عمرؓو بن العاص، عبدالرحمان بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان گواہ ہیں!

لہ!"

خدا سے ڈرو

حضرت عمرؓ نے شام کے سفر میں ایک مقام پر دیکھا کہ ذمیوں پر سختی کی جا رہی ہے، سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے جزیہ نہیں ادا کیا دریافت فرمایا کیوں ادا نہیں کیا ہے، جواب ملا، عسرت اور ناداری کے باعث فرمایا، انہیں چھوڑ دو، میں نے رسول اللہ سے سنا ہے، کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو، جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں، خدا انہیں قیامت میں عذاب دے گا،

معاہدہ حیرہ

امام ابو یوسف رحہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب میں لکھا ہے کہ معاہدہ حیرہ میں (جو حضرت ابو بکرؓ نے کیا تھا) یہ تصریح ہے کہ "اگر کوئی بوڑھا ذمی کام کرنے کے قابل نہ رہے، یا کسی مصیبت میں گھر جائے، یا غریب اور نادار ہو جائے اور اس کے مذہب والے اسے خیرات دینے لگیں، تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا، اور اس کی آل اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے مصارفِ حیات دیئے جائیں گے"۔ ۲ہ

غدار وطن ذمی

شام جب فتح ہوا، تو مرداکس بھی فتح ہوا جس کی سرحد ایشیائے کوچک سے ملی ہوئی تھی، صلح کے باوجود یہاں کے لوگ غداری سے باز نہ آتے تھے،

لہ طبری ۲ہ کتاب الخراج ،

ذمیوں سے در پردہ ساز باز رکھتے تھے، جاسوسی کرتے رہتے تھے، وہاں کے حاکم عمیر بن سعد کو عمر رض نے لکھا،

—"جس قدر ان کی جائداد، زمین، مویشی اور اسباب ہے، سب شمار کرکے ایک ایک چیز کی دوچند قیمت دے دو، اور ان سے کہہ دو کہ یہاں سے چلے جائیں، اور اگر یہ (ذمی) اس پر بھی راضی نہ ہوں تو ایک برس کی مہلت دو، پھر جلا وطن کر دو" ؎

مجمع عام میں

عمرؓو بن العاص (فاتح مصر) کے فرزند ارجمند نے جب ایک قبطی عیسائی کو بے وجہ مارا تو حضرت عمر رض نے اس قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزا دلوائی، اور عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

مذکم تعبدتم الناس	تم نے لوگوں کو غلام کب سے بنا لیا
وقد ولدتھم اُمھم	ہے؟ حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں
احرار	آزاد جنا تھا!

ذمیوں کے حقوق

حضرت علی رض نے ایک مرتبہ قرظہ بن کعب انصاری کو لکھا،

تمہارے علاقہ کے ذمیوں نے درخواست دی ہے کہ ان کی ایک نہر پٹ کر مٹ گئی ہے، جس کا بنانا مسلمانوں کا فرض ہے مجھے ان کا آباد رہنا زیادہ پسند ہے، بہ نسبت اس کے کہ وہ ملک سے نکل جائیں یا عاجز و درماندہ ہو جائیں، یا ملک کی بھلائی میں حصہ لینے کے قابل نہ رہیں،

؎ فتوح البلدان (الفاروق)

غلامی

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے مجھے ایسے شخص کو غلام کہتے ہوئے شرم آتی ہے جو کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے، ایک دفعہ آپ نے اپنے غلام کو کچھ دام دیئے اور فرمایا، دو مختلف قیمتوں کے کپڑے خرید لاؤ، پھر آپ نے قیمتی کپڑا اسے دے دیا، اور معمولی اپنے لیے رکھ لیا، اور فرمایا، تم جوان ہو تمہیں زیب و زینت کی خواہش ہونی چاہیئے، میرا کیا میں اب عمر رسیدہ ہوں ــــــ ۱؎"

حضرت ابوبکرؓ نے بہت سے غلاموں کو خریدا اور راہِ خدا میں آزاد کر دیا، حضرت بلال حبشی انہی کے آزاد کردہ غلام تھے،

صحیح بخاری کتاب المکاتب میں ہے کہ حضرت انسؓ کے غلام شیریں نے مکاتبت کی درخواست کی، انس نے انکار کیا، شیریں حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا، آپ نے انس کو مجبور کیا کہ وہ مکاتبت تسلیم کرلیں، تاکہ وُہ اپنی حسب خواہش آزاد ہو سکے،

حضرت عمرؓ نے بدر وغیرہ کے مجاہدین کی جب تنخواہیں مقرر کیں تو ان کے غلاموں کی بھی انہی کے برابر تنخواہ مقرر کی، اضلاع کے جو عمال تھے، ان کی نسبت ہمیشہ یہ بھی دریافت کرتے رہتے تھے غلاموں کے ساتھ ان کا برتاؤ کیا ہے ؟ اگر یہ معلوم ہوتا وہ غلاموں کی عیادت کو نہیں جاتا تو صرف اسی جرم پر معزول و موقوف کر دیتے تھے، اکثر غلاموں کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے، اور حاضرین کو سُنا کر کہتے تھے، خدا ان لوگوں پر لعنت کرے، جن کو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے سے انکار ہے، سرداران فوج کو کہلا بھیجا

تمہارا کوئی غلام کسی کو امان دے تو وہ امان تمام مسلمانوں کی طرف سے سمجھی جائے ،

بیت المال !

مسلمانوں کا بیت المال کیا تھا ، اس کی نوعیت کیا تھی ؟ خلافتِ راشدہ کے دور میں اس کی کیا کیفیت رہی ؟ یہ داستان بھی سننے کے لائق ہے ،

آخر عہد میں حضرت ابو بکر رض نے بیت المال کے لیے ایک عمارت تعمیر کرائی تھی ، لیکن اس میں کوئی رقم جمع کرنے کی نوبت نہ آئی ، ایک مرتبہ کسی نے کہا ، آپ بیت المال کی حفاظت کے لیے کوئی محافظ کیوں نہیں رکھتے ؟ جواب دیا اس کی حفاظت کے لیے ایک قفل کافی ہے ——— "!

اس لیے کہ نہ عوام سے چوسے ہوئے روپیہ کی افراط تھی ، نہ عوام کی نیت خراب تھی !

— اکثر ایسا ہوتا کہ روپیہ تقسیم کرنے کے بعد (حضرت ابو بکر رض) بیت المال میں جھاڑو پھروا دیتے ، وفات کے بعد جب بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو اس میں صرف ایک درہم نکلا ———![1] "

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا عمر رض بنفسِ نفیس اس کی تلاش میں نکلے ، کسی شخص نے کہا ، آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں کسی کو حکم دیجئے تلاش کر لائے گا ، جواب دیا " ای عبدا عبد منی ، یعنی مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے ؟ "

آج اشتراکیت اور عوامیت کے اس دور میں بھی حکومت کے سربراہ ——— کو عوام کی امانت کا اتنا پاس و لحاظ ہے ؟

حضرت علیؓ بیت المال کے مصارف پر بڑی کڑی نظر رکھتے تھے، اپنی ذات پر بھی کچھ نہیں خرچ کرتے تھے، ایک بار عمروؓ بن سلم اصفہان کا خراج لائے، اس میں شہد بھی تھا، اور چربی بھی آپ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کو شہد کی ضرورت تھی، عمرو بن سلم نے کچھ شہد اور چربی بھیج دی، حضرت علیؓ نے چربی اور شہد فوراً واپس منگا کر بیت المال میں داخل کر دی، جو حصہ خرچ ہو چکا تھا اس کی قیمت ادا فرما دی۔

ابو رافعؓ عہد علوی میں بیت المال کے نگراں تھے، ایک مرتبہ اُنہیں ٹوکا، اور فرمایا ــــ "تمہارا یہ حال ہے کہ اپنی لڑکی کو بیت المال کے موتیوں سے آراستہ کرتے ہو، جب فاطمہ کے ساتھ میری شادی ہوئی، تو میرے پاس بیٹھنے کی صرف ایک کھال جس پر رات کو سوتا تھا، اور دن کو اسی پر مویشی کو چارا دیتا تھا، ایک خادم تک میرے پاس نہ تھا"

جاڑے کا موسم تھا اور حضرت علیؓ ایک پرانی چادر اوڑھے کانپ رہے تھے، ایک شخص نے عرض کیا، امیر المومنین بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا بھی حق ہے، فرمایا تمہارے حصہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، یہ چادر میں مدینہ سے اپنے ساتھ لایا تھا،

بغاوت!

حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں جب وہ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو "بوران دخت" نے مشہور مدبر اور مانے ہوئے بہادر رستم کو ایرانی افواج کا سپہ سالار بنایا، اُس نے ایرانیوں کے مذہبی جذبات بھڑکا دیئے، سارے ایران میں مسلمانوں کے خلاف آگ لگادی، پوری ایرانی قوم مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے یکسر

شورش و انتقام بن گئی، اور چند ہی روز میں عراق کے تمام مفتوحہ علاقوں میں بغاوت کی چنگاریاں پھیل گئیں، پوران دخت نے ایران کے دو مشہور بہادروں نرسی اور جابان کو رستم کی امداد و اعانت پر مقرر کیا، یہ دونوں اپنی فوجیں لے کر دو مختلف راستوں سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے چل پڑے، دوسری طرف سے ابو عبیدہؓ ثقفی آ رہے تھے، خارج کے مقام پر ان کی اور جابان کی مڈبھیڑ ہو گئی، ابو عبیدہ نے جابان کے لشکر کو ذلت بخش شکست دی، کئی چنیدہ افسر ہلاک ہوئے اور خود جابان زندہ و سلامت گرفتار ہو گیا، لیکن جابان کو مسلمانوں کے لشکر میں کوئی پہچانتا نہیں تھا، اس نے دھوکہ سے کام لیا، اور رہائی حاصل کر لی، رہائی کے بعد بعض مسلمانوں نے اسے پہچان لیا، اور پھر سے گرفتار کر لیا اور ابو عبیدہ کی خدمت میں پیش کیا، اُنھوں نے سارا ماجرا سُنکر فرمایا،

ہم بد عہدی نہیں کر سکتے، اسے ایک مسلمان (خواہ غلط فہمی سے سہی) رہا کر چکا ہے، لہٰذا یہ آزاد کر دیا جائے، یہ حکم سنتے ہی مسلمانوں کی گردنیں جھک گئیں، اور مملکت کا یہ بڑا باغی آن کی آن میں رہا کر دیا گیا ؂

بصیرت اور فراست

اس باب میں ہم ایسے واقعات کا ذکر کریں گے، جن سے معلوم ہوگا کہ نازک ترین لمحات میں بھی خلفائے راشدین کی بصیرت اور فراست نے نے کس خوبی سے بڑے بڑے فتنوں اور طوفانوں کا قلع قمع کیا، کس کامیابی سے شورش اور بغاوت کا استیصال کیا، کس پامردی اور استقلال سے ناموافق اور ناسازگار حالات میں بھی وہی کیا، جو حق صداقت اور دین کا تقاضا تھا ۔

آنحضرتؐ کے وفات پاتے ہی بعض قبائل عرب مرتد ہو گئے، بعض

جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہوگئے، بعض لوگ اسلام پر تو قائم رہے، لیکن زکوٰۃ کے ادا کرنے سے انکار کرنے لگے،

حضرت ابو بکر رضؓ کے مسندِ خلافت پر بیٹھتے ہی یہ سب مسائل آپ کے سامنے حل طلب طور پر پیش ہوئے، لیکن آپ ذرا بھی ہراساں نہیں ہوئے، مرتدین کا مقابلہ کیا، مدعیانِ نبوت کا قلع قمع کیا، اور مانعین زکوٰۃ کو مجبور کیا کہ وہ بیت المال میں زکوٰۃ کی رقم ادا کریں اور عین اس زمانہ میں جب یہ فتنے اُٹھ رہے تھے، اور شورشیں برپا ہو رہی تھیں، آپ نے خدا کی نصرت پر بھروسہ کرکے اسامہؓ بن زید کی سرکردگی میں وہ مہم بھی مدینہ سے باہر بھیج دی جسے رسول اللہؐ نے مامور کیا تھا، اور جب بدلے ہوئے حالات میں اجل صحابہ تک فوج کو مدینہ سے باہر بھیجنے کی رائے دیتے ہوئے ہچکچا رہے تھے،

یہ سارے کارنامے آپ کی بصیرت اور فراست پر دال ہیں، اگر آپ نے مہم نہ بھیجی ہوتی، یا مانعین زکوٰۃ کے سامنے سر خم کر دیا ہوتا، یا مرتدین سے چشم پوشی کی ہوتی، یا مدعیانِ نبوت کو مہلت دی ہوتی، تو اسلام ایک تماشہ بن کر رہ جاتا،

عبداللہ بن عمرؓ نے ابو لولو قاتل عمرؓ کے ایک ساتھی کو شبہ کی بنا کر قتل کر دیا، مقدمہ حضرت عثمان رضؓ کے ہاں پیش ہوا، اُنھوں نے صحابہ سے رائے لی، حضرت علی رضؓ نے کہا، قصاص لیا جائے، بعض صحابہ نے کہا، کل عمر رضؓ قتل ہو چکے ہیں، آج ان کے لڑکے کو قتل کرنا مناسب نہیں ہے، عمرو بن العاص نے کہا، آپ عبداللہ کو معاف کر دیں گے تو اُمید ہے خدا آپ سے اس کا مواخذہ نہ کرے گا، اس اختلاف رائے پر آپ نے فرمایا، چونکہ مقتول کا کوئی وارث نہیں ہے، اس لیے میں بحیثیت ولی کے قصاص کو دیت سے بدلے دیتا ہوں،

اور اپنی جیب خاص سے دیت ادا کر دی[1]!

پاسِ عہد بحالتِ جنگ

جنگ انسان کا باہمی توازن ختم کر دیتی ہے، عدل، انصاف، رواداری انسانیت کا خاتمہ ہو جاتا ہے، کوشش صرف ایک امر پر مرکوز رہتی ہے کہ دشمن کو شکست دی جائے،

آج سے چودہ ۱۴ سو برس پہلے کو چھوڑیے، آج جب کہ دنیا اتنی ترقی کر گئی ہے، کیا حال ہے، کیا اس تمدن اور حضارت کے عہد میں بھی بے گناہ شہریوں پر بم نہیں پھینکے جاتے؟ کیا دشمن قوم پر اندھا دھند ایٹم بم نہیں برسائے جاتے؟ کیا کھیتوں کو نہیں جلایا جاتا، کیا پانی میں زہر نہیں ملایا جاتا کیا متعدی بیماریوں کے جراثیم کی "نشر و اشاعت نہیں ہوتی"؟ کیا آگ نہیں لگائی جاتی؟

یہ سب کچھ ہوتا ہے، امن کے نام پر ہوتا ہے، "انسانیت" کی خاطر ہوتا ہے، لیکن آج سے ۱۴ سو برس پہلے ایک اُمیؐ نے اپنے دورِ حکومت میں کیا کیا؟ اس کے خلفائے راشدین نے کیا کیا؟ اس داستان کو دنیا نہ سنے یہ دوسری بات ہے، لیکن اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا،

۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے شام پر فوج کشی کے لیے چند سردار منتخب فرمائے تو ان سے کہا ——— "تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جنھوں نے اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لیے وقف کر دیا ہے (عیسائیوں کے راہب مراد

---

[1] تاریخ اسلام بحوالہ ابن اثیر

ہیں) ان کو چھوڑ دینا، کسی عورت، بڈھے اور بچہ کو نہ قتل کرنا، پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا، کھانے کے سوا بکری اور اونٹ کو بیکار ذبح نہ کرنا، نخلستان نہ جلانا، مالِ غنیمت میں غبن نہ کرنا، بُزدلی نہ دکھانا[1]!"

قیصر رُوم نے جب مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنا ٹڈی دل لشکر فراہم کیا، تو حمص کے مقام پر ۱۵ھ میں سالار عسکر اسلام ابو عبیدہ نے مسلمان افسروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا ــــ "خدا نے تم کو بار بار جانچا، اور تم اس جانچ میں پورے اترے، اس کے صلہ میں خدا نے تم کو ہمیشہ مظفر و منصور رکھا، اب تمہارا دشمن اس سرو سامان سے تمہارے مقابلہ کے لیے چلا ہے کہ زمین کانپ اٹھی ہے، اب بتاؤ کیا صلاح ہے؟ معاویہ کے بھائی، یزید بن ابی سفیان نے کہا میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیا جائے، اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہوں، اس کے ساتھ ہی ساتھ خالدؓ اور عمروؓ بن العاصؓ کو خط لکھا جائے کہ وہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں شرجیل رضؓ بن حسنہ رضؓ نے کہا اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہیے یزید کی رائے بے شبہ خیر خواہی پر مبنی ہے، لیکن میں اس کا مخالف ہوں شہر والے عیسائی ہیں، ممکن ہے وہ تعصب سے ہمارے اہل و عیال کو پکڑ کر قیصر کے حوالے کر دیں، یا خود مار ڈالیں، ابو عبیدہؓ نے کہا اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں، ان سے نقض عہد کیونکر ہو سکتا ہے؟

ابو عبیدہ رضؓ نے اپنی غلطی تسلیم کر لی ــــ"

---

[1] تاریخ الخلفاء

آج چودہ۱۴ سو برس کے بعد مہذب اور متمدن دُنیا کے لڑنے والے اسلام کے ان اصولوں سے آگے نکل گئے ہیں،

سیستان کی شرط

سنہ ۲۳ھ میں سیستان نے اطاعت قبول کرلی، اہلِ سیستان کی شرط یہ تھی کہ اُن کی تمام اراضی محفوظ قرار دی جائے، اور مسلمان اس سے کوئی سروکار نہ رکھیں، مسلمانوں نے یہ بات مان لی، اور وہ اس شرط کا اتنا پاس و لحاظ رکھا، کہ کھیتوں کے پاس سے جلدی سے گذر جاتے تھے کہ چھو نہ جائیں [1]۔

فاتحانہ — اور مصالحانہ

سنہ ۱۴ھ میں دمشق فتح ہوا، یہ فتح بھی عجیب و غریب تھی، ایک طرف سے خالدؓ اپنے لشکر کو لیکر فاتح و منصور بن کر داخل ہوئے، دوسری طرف ابو عبیدہؓ نے عیسائیوں کی درخواست منظور کرلی، اور مصالحانہ داخل ہوئے، چونکہ ابو عبیدہؓ صلح کرچکے تھے، لہٰذا، یہ تسخیر، مصالحانہ قرار پائی، فاتحانہ نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ دمشق کے عیسائیوں سے نہ مالِ غنیمت لیا گیا، نہ کسی کو لونڈی یا غلام بنایا گیا [2] — ابو عبیدہؓ صلح کرچکے تھے، مسلمانوں کا پاسِ عہد، جنگ کی فتح مندیوں اور فیروز مندیوں پر بھی غالب آنا ہے، اور غالب آیا،

جارج کا اسلام

جنگ یرموک کے موقع پر رُومیوں نے طلب سفارت کے لیے اپنا سفیر جارج نامی مسلمانوں کے لشکر بھیجا، سفیر جب پہنچا تو مغرب کی نماز کی تیاریاں ہو رہی تھیں، نماز شروع ہوئی، مسلمانوں کی محویت اور استغراق دیکھ کر اسے سکتہ سا ہوگیا، نماز کے بعد اُس نے ابُو عبیدہؓ سے پُوچھا عیسٰےؑ کے بارے میں تمہارا کیا اعتقاد

---

[1] ابن اثیر، [2] طبری

ہے؟ ابوعبیدہؓ نے چند آیتیں پڑھیں، جو حضرت عیسٰےؑ کی رسالت اور عبدیت سے متعلق تھیں، وہ سُنکر بے ساختہ کہہ اُٹھا بلاشبہ تمہارا پیغمبر سچا ہے، پھر اُس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا ۔

جارج (مسلمان) ہوکر اپنی قوم (عیسائیوں) کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا لیکن ابوعبیدہؓ نے اس خیال سے کہ بدعہدی کا خیال نہ ہو، اُسے واپس جانے پر مجبور کیا ــــ"

عدل وانصاف ومساوات

ــــ " قاضیوں کا تقرر خلافت کی طرف سے کیا جاتا، حضرت عمرؓ نے قاضیوں کے لیے ایک لائحہ عمل مقرر کیا تھا ــــ"

"مدعی، مدعا علیہ کو ایک نظر سے دیکھو، اُن کی نشست میں کسی قسم کا امتیاز روا نہ رکھا جائے، عدل و انصاف میں کسی کے ساتھ رعایت نہ کرو۔ جن جدید مسائل میں تردد پیدا ہو ان میں عقل و درایت سے کام لو، پچھلے نظائر اور امثال کی روشنی میں غور کرو۔ مدعی کو اتنی مہلت دو کہ وہ گواہ اور ثبوت آسانی سے پیش کرسکے، مسلمان ایک دوسرے کے لیے عادل گواہ کی حیثیت سے پیش ہوسکتے ہیں، بجز ان مسلمانوں کے جن پر شرعی حد جاری ہوچکی ہے، جن کی جھوٹی گواہی کا تجربہ ہوچکا ہو، یا اُن کا فریق مخالف کے ساتھ ذاتی تعلق یا قرابت داری ہو ــــ[1]"

ــــ" عدالت اعلیٰ میں ماتحت عدالت کے فیصلے اس وقت بھیج دیئے

---

[1] النظم الاسلامیہ

جاتے تھے - جب وہ انہیں نافذ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی، جب فریقین کو اس کے فیصلہ سے اطمینان نہ ہوتا تھا، تو وہ عدالتِ اعلیٰ میں اپیل کر سکتے تھے خلافتِ راشدہ میں حضرت علیؓ نے عدالتِ اعلیٰ کے فرائض انجام دیئے، آپ نے اس کے لیے کوئی دن یا وقت مقرر نہیں کیا تھا، بلکہ شب و روز میں جس وقت بھی کوئی مظلوم داد خواہ ہوتا اسی وقت انصاف کر دیتے ـــــ [۱]!

محتسب احکامِ شرعی کا تحفظ اور اُن کی پابندی کراتا تھا، منڈیوں اور بازاروں کے نظم و نسق کی نگرانی کرتا تھا، وہ وزنوں اور پیمانوں کی جانچ پڑتال بھی کرتا رہتا تھا، اور اس کام کے لیے ایک باقاعدہ دفتر بھی موجود تھا[۲] جہاں تمام دوکانداروں اور خرید و فروخت کرنے والوں کو معین اوقات میں آنا پڑتا تھا،

حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے احتساب کا نظام قائم کیا ـــــ!" حضرت علیؓ اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں بھی احتساب کی کارفرمائی جاری تھی، خلافتِ راشدہ کے بعد دوسرے ادوار میں اس شعبہ نے خاصی ترقی کر لی، ـــــ!"

مساوات کا شور ہم آج بھی سنتے ہیں، اور اس شور سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی، لیکن اسلام نے مساوات کا عمل کا جو نظارہ دُنیا کو دکھایا اُس کی مثال آج تک نہ مل سکی، عہدِ خلافتِ راشدہ میں مساوات کی جو مثالیں چند سال کی مختصر سی مدت میں نظر آگئیں، وہ جمہوریت اور عوامیت کے صدہا سال میں بھی نظر نہ آ سکیں،

ـــــ عہد صدیقی میں زکوٰۃ، عشر، جزیہ اور غنیمت کی آمدنی میں کافی

---

[۱] النظم الاسلامیہ بحوالہ احکام السلطانیہ

اضافہ ہوگیا تھا، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے کوئی خزانہ نہیں قائم کیا، اسلامی ضروریات میں صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچتا، اس کو بلا تفریق آزاد و غلام، ادنیٰ و اعلیٰ مرد اور عورت، عام مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے، اس مساوات پر ایک شخص نے اعتراض کیا، تو فرمایا، فضل و منقبت اور شے ہے، اس کو رزق کی کمی بیشی سے کوئی علاقہ نہیں ــــــ[1]!

حضرت عمرؓ پر مقدمہ

ایک مرتبہ ابن ابی کعب نے عمرؓ کے خلاف زید بن ثابت کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا، عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے پیش ہوئے، حضرت زیدؓ نے تعظیم کی، عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے، یہ کہہ کر اپنے فریق ابی کے ساتھ بیٹھ گئے، اُبی کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا، عمرؓ کو دعوے سے انکار تھا، ابی نے قاعدے کے موافق عمرؓ سے قسم لینی چاہی، زید نے ابی سے کہا، امیرالمومنین کو قسم سے معاف رکھو، عمرؓ اس ترمیم پر آزردہ ہوگئے، فرمایا جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر برابر نہ ہوں اس وقت تک تم منصبِ قضا کے اہل نہیں ہو سکتے[2]

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ صحابیٔ رسول ابی بن کعب کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوئے، جب وہ اٹھے تو ازراہِ تعظیم لوگ ساتھ ہوگئے، اسی موقع پر عمر کا ادھر سے گذر ہوا، انھوں نے فوراً ابی کے ایک کوڑا لگایا، فرمایا ــــ "تم نہیں جانتے اس طرح کی تعظیم متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیئے ذلت ہے ــــــ[3]!

---

[1] تاریخ اسلام بحوالۂ طبقات ابن سعد [2] تاریخ اسلام بحوالۂ کنزالعمال [3] تاریخ اسلام بحوالۂ مسند دارمی۔

فرمانروائے وقت جبلہ بن ایہم مسلمان ہوگیا طوافِ کعبہ کے وقت اس کی چادر کا ایک گوشہ بدو کے پاؤں کے نیچے آگیا، جبلہ نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ مارا، بدو نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا، جبلہ نے عمرؓ سے شکایت کی، فرمایا، تم نے جیسا کیا ویسا پایا، جبلہ نے کہا، ہم وہ ہیں کہ اگر ہم سے کوئی گستاخی کرے تو اُس کی سزا قتل ہے، جواب دیا۔ ہاں عہدِ جاہلیت (کفر) میں ایسا ہی تھا، لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا ہے"!

قریش کے کچھ سردار، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے ملنے آئے، اتفاق سے صہیب، بلال اور عمار وغیرہ موجود تھے، جو آزاد شدہ غلام تھے، اور دُنیاوی لحاظ سے معمولی درجہ کے لوگ سمجھے جاتے تھے، عمرؓ نے سب سے پہلے انہی لوگوں کو بلایا، سرداران قریش انتظار میں باہر بیٹھے رہے، ابوسفیان کو یہ طرزِ عمل ناگوار گذرا تھا، خدا کی قدرت ہے، غلاموں کو باریابی کی اجازت ملتی ہے ہم منتظر بیٹھے ہیں، ایک ساتھی نے کہا، ہم کو عمر کی نہیں اپنی شکایت کرنی چاہیے، اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا، لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے پہنچے، وہ آج بھی پیچھے رہنے کے مستحق ہیں ——"!

علیؓ اور یہودی

ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی زرہ کھو گئی وہ ایک یہودی کو ملی، آپ نے اُسے دیکھ کر پہچان لیا، اور قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ کیا، قاضی نے حضرت علی سے ثبوت مانگا، آپ ثبوت نہ دے سکے، قاضی نے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا، وہ اس واقعہ سے اتنا متاثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہو گیا، اُس نے کہا —— یہ انصاف تو نبیوں جیسا ہے، امیرالمؤمنین مجھے اپنی عدالت کے قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں اور قاضی امیرالمؤمنین کے خلاف فیصلہ دیدیتا ہے۔"!

آزادیٔ تقریر

ایک دفعہ حضرت عمرؓ سے ایک آدمی نے برسرِ عام کہا، عمرؓ! کیا عاملوں (گورنروں) کے لیے چند قواعد مقرر کر دینے سے تم عذابِ الٰہی سے بچ جاؤ گے؟ تم کو یہ خبر ہے کہ ——— عیاض بن غنم جو مصر کا عامل ہے، باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس کے دروازے پر دربان مقرر ہے؛ عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا، اور حکم دیا، عیاض کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لے آؤ، محمدؓ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازے پر دربان تھا، اور وہ باریک کرتہ پہنے بیٹھے تھے اسی ہئیت اور لباس میں اُنہیں لے کر مدینہ آئے حضرت عمرؓ نے وہ کرتہ اُتروا کر بالوں کا ایک کرتہ پہنوایا اور بکریوں کا ایک گلہ منگوا کر حکم دیا جنگل میں لے جا کر چراؤ، عیاض کو انکار کی مجال نہ تھی، مگر بار بار کہتے تھے اس سے مرجانا بہتر ہے، عمرؓ نے کہا، تجھے اس سے عار کیوں ہے؟ تیرے باپ کا نام غنم اسی لیے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چرایا کرتا تھا، عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے [1]!

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ منبر پر چڑھ کر کہا، "صاحبو اگر میں دُنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم کیا کرو گے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا، اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا، تمہارا سر اڑا دیں گے، عمرؓ نے اُس کے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا کیا تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے، اُس نے کہا، ہاں ہاں تمہاری شان میں عمرؓ نے کہا، الحمد للہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہوں گا تو وہ

---

[1] الفاروق بحوالہ کتاب الخراج -

سیدھا کر دیں گے ؎۲!

حضرت عثمانؓ اور عمروؓ بن العاصؓ

۲۵ھ میں حضرت عثمانؓ نے عمروؓ بن العاصؓ کو معزول کر کے عبداللہؓ بن ابی سرحؓ کو مصر کا گورنر بنا دیا، عمروؓ بن العاص سے مصر کا خراج زیادہ موصول نہیں ہوتا تھا، تقاضہ پر اُنہوں نے عثمانؓ سے کہا، "اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی، ابن ابی سرح نے دوسرے سال بہت کافی توفیر دکھائی، عثمانؓ نے عمرو بن العاص سے کہا۔" دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا! عمروؓ نے جواب دیا،" ہاں لیکن بچے بھوکے رہ گئے"!

ابو موسیٰؓ سے سوال

ابو موسےٰ اشعری بصرہ کے والی تھے، ۲۹ھ میں کردوں نے بغاوت کی ابو موسےٰ نے جہاد پر وعظ کیا، اور راہِ خدا میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کیے بہت سے لوگ آمادہ ہو گئے، ابو موسےٰؓ جب روانہ ہوئے، اُن کی سواری میں ایک عمدہ ترکی گھوڑا تھا، اور چالیس خچروں پر ان کا سامان بار تھا، ایک شخص نے بڑھ کر باگ روک لی، اور کہا، "قول و فعل میں یہ اختلاف؛ اب ہم کو سواری دو اور خود پیدل چلنے کا ثواب حاصل کرو، ابو موسےٰ نے کوڑا مارا، لوگ شکایت لے کر عثمانؓ کے پاس پہنچے اور ابو موسےٰ کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے ابو موسےٰ کو معزول کر کے عبداللہؓ بن عامر کو والی مقرر کر دیا ؎۱"

؎۱ تاریخ اسلام بحوالہ ابن اثیر

حکومتِ اسلامیہ کا ربط و تعلق

غیر مُسلم اقوام و ملل کے ساتھ

کسی قوم کی رواداری یا نارواداری کا سچّا اور اصلی پیمانہ یہ ہے کہ دوسری قوموں اور ملتوں کے ساتھ اس کی پالیسی کیا ہے؟ برتاؤ کیا ہے؟ معاملات اور تعلقات کی کیفیت کیا ہے؟

مصر سے علامہ عبدالوہاب خلاف مفتش بالمحاکم شرعیہ کی ایک بڑی اہم کتاب، آج سے، بارہ پندرہ سال پہلے "السیاستہ الشرعیہ" کے نام سے شائع ہوئی تھی، مَیں اس پُوری کتاب کا ترجمہ کر چکا ہوں، لیکن، اس موقع پہ کسی طرح بھی میں اس کے ایک باب کو قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتا، اس باب میں فاضل مصنف نے بڑی دیدہ کاری اور عرق ریزی سے اس موضوع پر گراں بہا اور قابل قدر مواد فراہم کیا ہے، اس باب کے مطالعہ سے بہت سی غلط فہمیاں اسلام اور اس کی سیاست کے بارے میں رفع ہو جائیں گی"!

علامہ عبدالوہاب فرماتے ہیں: —

غیر حکومتوں کے ساتھ جو تعلقات و روابط قائم کیے جاتے ہیں وہی سیاست خارجی کہلاتے ہیں، پچھلے زمانہ میں اس قسم کے صلات باہمی مساعد نہیں ہوا کرتے تھے، کیونکہ قوی حکومت، ضعیف قوم کو غلام بنا لینا چاہتی تھی، اور ضعیف

قوم کو ہمیشہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ قوی قوم کہیں اُسے کچل نہ دے، لیکن اگر باہمی طور پر ضمانات موجود ہوں، تو طمع اور ہوس کا دروازہ بھی بند ہو جائے گا، اور خوف و دہشت کا سدِ باب بھی ہو جائے گا، لہٰذا ہر اُمت ایک دوسرے سے الگ رہتی تھی، اور کسی قوم کی سیاستِ خارجیہ جنگ و پیکار، اور قتل و غارت کے سوا کچھ اور نہیں ہوتی تھی۔

عصرِ حاضر کے تعلقاتِ خارجہ

لیکن زمانہ جدید کی قومیں جب ایک دوسرے سے ضروریات و احتیاجات رکھنے پر مجبور ہوتی ہیں اور ایک دوسرے سے بے نیازی نہیں برت سکتیں تو انہیں یہ حاجات متبادلہ مجبور کرتے ہیں کہ تعلقاتِ خارجیہ ایک دوسرے سے قائم کریں، چنانچہ اس سلسلہ میں خاص اصول بھی وضع کر لئے گئے ہیں، اور قوانین بھی بنا لئے گئے ہیں، اور ایسی قوتیں بھی رکھی گئی ہیں، جو ان قوانین کی تنفید کی کفیل ہوتی ہیں، اس سلسلہ میں قانون دولی کا علم مرتب و منضبط ہوا، اور ایسے قواعد بنائے گئے کہ ہر حکومت کے حقوق ایک دوسرے سے رابطہ کا منہاج ایک دوسرے کے فرائض و واجبات — جنگ اور صلح کے زمانہ میں — واضح ہو گئے۔

قوانین امن و صلح

علماء قانون نے سب سے پہلے جو قواعد بنائے، وہ امن و صلح سے متعلق تھے، تاکہ باہمی تعاون اور رفاقت، اور باہمی تبادل منافع انسانی امکان و استطاعت کے مطابق درجۂ کمال تک پہنچ جائے، انہوں نے یہ بھی طے کر دیا، کہ تعلقاتِ صلح و امن اس وقت تک منقطع نہیں کئے جائیں گے، جب تک شدید ضروریات نے جنگ و پیکار پر مجبور نہ کر دیا ہو، اور جب تک امن و صلح

کی بحالی کی تمام تدبیریں ناکام نہ ہوں، ان قواعد کی رُو سے ایسے احکامات مرتب کر دیئے گئے، کہ غیر حکومت کے مقابلہ میں ہر حکومت کے حقوق و واجبات واضح ہو گئے، تاکہ ہر ممکن طور پر اسباب اختلاف کا ازالہ اور انقطاع ہو جائے۔

اسی طرح ان علمائے قانون نے جنگ و پیکار کے زمانہ کے قواعد و ضوابط بھی بتا دیئے، کہ جب اختلاف رُونما ہی ہو جائے، اور لڑائی چھڑ ہی جائے تب بھی جہاں تک ممکن ہو، شر اور فتنہ کا وقوع کم سے کم ہو۔

قانون جنگ و امن

احکام سلمیہ میں حکومتوں پر واجب کیا گیا ہے کہ وہ ان حکومتوں کو تسلیم کریں جو حکومت کے "شرائط" پر پُوری اُترتی ہوں اور ہر حکومت کے اس حق کو تسلیم کیا گیا ہے کہ سیاستِ داخلیہ میں اس کی آزادی کامل تسلیم کی جائے، اس کے حدود کا احترام کیا جائے، اس کی رعایا کے معاملات میں مداخلت نہ کی جائے۔ تجارت کے سلسلہ میں دوسروں پر ناروا پابندیاں نہ عاید کی جائیں سفر اور قناصل کا پُورا پُورا احترام کیا جائے، غرض یہ اور اسی طرح کے احکام مرتب کئے گئے تاکہ خلاف و اختلاف کا امکان کم سے کم ہو جائے۔

احکام حربیہ میں یہ ضروری قرار دیا گیا کہ باقاعدہ اعلانِ جنگ کیا جائے اور اس وقت کیا جائے جب اتمام حجت ہو چکا ہو اور لڑائی کے شروع ہونے کے بعد بھی، وہ آلات و اسلحہ نہ استعمال کئے جائیں، جن سے انسان کی تعذیب ہوتی ہو، اور دشمن کے جو لوگ مجروح ہوں یا گرفتار ہو کر آئیں، اُن کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، غرض یہ اور اسی طرح کے دوسرے قوانین بنائے گئے کہ جنگ کے اثرات کم ہوں، اس کی تباہ کاریاں محدود رہیں، اور انسان

انسان کے ساتھ رحم و کرم کا سلوک کرے۔

اسلام کیا کہتا ہے

اب ہم بتاتے ہیں کہ اسلام نے حالت جنگ و صلح اور امن و پیکار میں، دولت اسلامیہ کے لیے کون سے اصول مرتب کیے ہیں؟ اور کس طرح کے قواعد کی تشکیل کی ہے؟

حکومت اسلامیہ اور غیر مسلم ممالک

علماء اسلام اس پر متفق ہیں کہ دولت اسلامیہ کا قیام وحدت دینیہ پر مبنی ہے، اور وہ تمام عناصر جو اس وحدت کے اجزا ہیں، ان کا جو مجموعہ ہے، وہی "امت واحدہ" ہے اگرچہ ان کی زبان مختلف ہو، جنس مختلف ہو، حکومت مختلف ہو، بادشاہت مختلف ہو، یا تمام ممیزات قومیہ مختلف ہوں اس لیے کہ دین کی وحدت ان تمام فروق پر غالب ہے، لہٰذا ان تمام اختلاف اور فروق کے باوجود "امت واحدہ" اپنی جگہ قائم رہے گی۔

دولت اسلامیہ میں، اور غیر اسلامی حکومت میں علاقہ کی نوعیت کیا ہونی چاہیے؟ اس پر علماء اسلام میں اختلاف ہے۔

ایک فریق کا یہ خیال ہے کہ اسلام اپنے مخالف کو قبول اسلام کی دعوت دیتا ہے اور یہ دعوت دو طرح سے دی جاتی ہے،

(۱) زبان سے۔

(۲) تلوار سے۔

پس جن لوگوں کو زبان سے تبلیغ اسلام کی گئی، اور انہوں نے یہ دعوت قبول کی اور اسلام لے آئے، تو وہ لوگ حق کے پیرو ہو گئے، اور اگر اسلام کی دعوت دی گئی اور وہ قبول نہیں کی گئی، تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ پھر

وہ تلوار اٹھائیں، اور منکروں سے قتال کریں، خواہ وہ عرب کے مشرکین ہوں، یا کسی دوسرے مقام کے مشرک اور کافر، ان سے اس وقت تک قتال و جدال کا سلسلہ بند نہیں کیا جائے گا جب تک وہ اسلام نہ قبول کرلیں، اسی طرح خواہ وہ غیر عرب مشرکین یا اہل کتاب ہوں، ان سے بھی اس وقت تک جدال و قتال بند نہیں کیا جاسکتا جب تک وہ اسلام قبول نہ کرلیں، یا جزیہ دینے پر راضی نہ ہوجائیں اور ماتحتی کی زندگی بسر کرنے پر رضامند نہ ہوجائیں، جب تک یہ غایت حاصل نہ ہو، ان سے صلح نہیں کی جاسکتی، اس وقت تک جدال و قتال بند نہیں کیا جاسکتا جب تک کوئی خاص ضرورت صلح و سلام کی داعی نہ ہوگئی ہو مثلاً یہ کہ مسلمان کمزور ہوں، اور مخالف توانا ہوں، تو اس صورت میں وقتی مسالمت جائز ہے، لیکن اسی وقت تک جب تک ضرورت اس مسالمت کی داعی ہو، جیسے ہی یہ ضرورت ختم ہوئی، جہاد و قتال واجب ہو جائے گا۔

چند قابل غور دلیلیں

اس نظریہ کے علمبردار، اپنے دعوے پر متعدد دلیلیں پیش کرتے ہیں

(۱) خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو قرآن میں حکم دیا ہے کہ وہ غیر مسلموں سے مقابلہ کریں، یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کرلیں، یا جزیہ دینے پر راضی ہوجائیں، خدا کا یہ حکم امر مطلق ہے، اس کے ساتھ اس طرح کی قید نہیں عائد کی گئی ہے، کہ یہ مقاتلہ کفار اور مشرکین کے عدوان سے بچنے کے لیے اختیار کیا جائے، یا وہ آمادہ جنگ ہوں تو ان سے جنگ کی جائے،

اس اطلاق سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین سے قتال و جدال کا عام حکم دیا گیا ہے، پھر جب قتال دین کی طرف ایک طرح کی دعوت

ہے، تو جب کبھی بھی مسلمانوں میں امکان و قدرتِ جلال ہو، اس سے وہ گریز نہیں کر سکتے۔

اسی طرح سورۂ بقر میں ہمارے تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ —

کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم وعسٰی ان تکرھوا شیئًا وھو خیر لکم

"یعنی تم پر قتال واجب کر دیا گیا ہے۔ خواہ وہ تمہیں گراں کیوں نہ گذرے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض چیزوں کو برا سمجھتے ہو، لیکن وہ تمہارے لیے بھلی ہوتی ہیں"

یا سورۂ نساء میں ارشاد ہوا ہے —

فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین یشترون الحیوٰۃ الدنیا بالآخرۃ

"آپ اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے قتال کیجئے جنہوں نے آخرت کے بدلے دُنیا کی زندگی خریدلی ہے"

یا سورہ انفال میں ارشاد فرمایا گیا یایھا النبی حرض المؤمنین علے القتال یعنی اے نبی! مسلمانوں کو (کفار و مشرکین سے) قتال پر اُبھارو!" —

یا سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا ہے فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوا لھم مرصد فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم ان اللہ غفور رحیم یعنی جب امن کے مہینے تمام ہو جائیں، تو مشرکوں سے "قتال کرو، جہاں بھی ان کو پاؤ، اُنہیں گرفتار کرو، اور ان کا محاصرہ کرلو، اور ہر گھات میں ان کی تاک لگاؤ، پھر اگر وہ توبہ کرلیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، تو انہیں ان کے راستہ پر جانے دو، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

یا فرمایا گیا — قاتلوالذین لایؤمنون باللہ ولاباالیوم الآخر ولایحرمون ماحرم اللہ ورسولہ ولایدینون دین الحق من الذین اوتوالکتاب حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون

یعنی ان لوگوں سے مقاتلہ کرو، جو اللہ پر ایمان نہیں لائے، نہ یوم آخرت پر ایمان لائے، اور نہ اس چیز کو حرام جانتے ہیں جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے، اور نہ یہ اہل کتاب سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں، یہاں تک کہ یہ نگوں سار ہو کر جزیہ دینے لگیں" —

یا ارشاد ہوا ہے — وقاتلوالمشرکین کآفۃ کما یقاتلونکم — یعنی مشرکوں سے اکٹھے ہو کر لڑو جس طرح وُہ تم سے اکٹھے ہو کر لڑتے ہیں، اور جان لو کہ اللہ تعالےٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔"

حدیث قتال

(۲) بخاری اور مسلم کی ابن عمر سے یہ روایت ہے کہ — (قال رسول اللہ) امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لاالٰہ الااللہ وان محمد رسول اللہ ویقیموالصلوٰۃ ویوتوالزکوٰۃ فان فعلوا ذلک عصموا منی دماءھم، واموالھم الا بحق الاسلام وحسابھم علی اللہ .....

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک مقاتلہ کروں جب تک وُہ کلمہ توحید اور، رسالت محمدیؐ پر ایمان نہ لے آئیں، نماز نہ قائم کریں، اور زکوٰۃ نہ دیں، اگر وُہ یہ سب کچھ کرنے لگیں تو اپنی جان و مال کو مجھے محفوظ کرلیں گے سوائے اس کہ اسلام کے اصول کے مطابق ان سے مواخذہ کی نوبت آئے، اور ان کا حساب وکتاب اللہ کے ذمہ ہے، — ظاہر ہے یہ نص ہے، اور اس سے یہ ثابت ہے کہ قتال کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ کہ

دعوت اسلام کا ایک طریقہ قتال بھی ہے،

کافروں سے ربط و تعلق کی ممانعت

(۳) خدائے بزرگ و برتر نے قرآن کریم کی بہت سی آیات میں مسلمانوں کو ممانعت کی ہے کہ وہ کافروں کو دوست نہ بنائیں، ان سے ربط و محبت کے تعلقات قائم نہ کریں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان، غیر مسلموں کو نہ اپنا حلیف بنا سکتے ہیں، نہ ان سے موالات کر سکتے ہیں،

سورہ آل عمران میں وارد ہوا ہے ——— لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین یعنی مسلمانوں کے لیے یہ زیبا نہیں دیتا کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنائیں۔

سورہ مائدہ میں آیا ہے ——— یاایھا الذین امنوا لاتتخذ وا الیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم ——— یعنی اے مسلمانو! یہود اور نصاریٰ کو دوست مت بناؤ تم میں سے جو انہیں اپنا دوست بنائے گا اس کا شمار انہی میں ہوگا۔

سورہ ممتحنہ میں کہا گیا ہے، یاایھا الذین امنوا لا تتخذ وا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ وقد کفروا بما جاءکم من الحق یخرجون الرسول وایاکم ان تؤمنوا باللہ ربکم“

——— یعنی اے مسلمانو اپنے اور میرے دشمن کو دوست مت بناؤ کہ تم انہیں دوستی کا پیام بھیجو، حالانکہ وہ اس خبر کا (اسلام) کا انکار کرتے ہیں جو تمہارے پاس سچائی کے ساتھ آئی ہے وہ پیغمبر کو، اور تم کو جلاوطن کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لے آئے ہو!!

جبری تبلیغ

(۴) جب صحیح اسلوب پر اسلام کی دعوت دی جائے تو اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب پر قائم رہنے کی پھر ان کے پاس کوئی معقول دلیل نہیں رہ جاتی اس لیے کہ خدائے حکیم نے جن زبردست دلائل سے اپنی وحدانیت اور اپنے رسول کی صداقت ثابت کی ہے، ان کا کوئی توڑ ہی نہیں ہے، اور اس کے بعد مخالفین کے عذرات و دلائل پادر ہوا ہو جاتے ہیں، پھر جب انہیں حکمت اور موعظۂ حسنہ کے ساتھ اسلام کی دعوت دی جائے، اور اسے رد کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی معقول حیلہ یا عذر یا دلیل نہ ہو، تو کوئی حرج نہیں ہے، اگر ہم زبردستی ان کو خیر اور فلاح کے راستہ پر لا کر کھڑا کر دیں، اور جبر و قہر سے کام لے کر انہیں راہ ہدایت دکھائیں اگر وسائل حکمت بھی انہیں راہ راست پر لانے میں ناکام ہوں، اور جبر و قہر سے بھی وہ راہ ہدایت نہ اختیار کریں تو پھر فرض ہو جاتا ہے، کہ انہیں قتل کر دیا جائے، اور شر کی جڑ کاٹ دی جائے تاکہ ان کی گمراہی سوسائٹی کے دوسرے اعضا میں نفوذ نہ کرے، جس طرح اگر ایک عضو کا علاج نہ ہو گا، اور اس سے دوسرے اعضائے بدن کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو اسے کاٹ دینا ہی بہترین علاج سمجھا جاتا ہے،

یہ رائے رکھنے والے حضرات دولت اسلامیہ کی سیاست خارجیہ کو حسب ذیل اصولوں پر مبنی کرتے ہیں: —

(۱) جہاد ——

جہاد فرض ہے، اسے ترک نہیں کیا جا سکتا، سوا اس کے کہ حالات ایسا کرنے پر مجبور کریں، مثلاً مسلمان کمزور ہوں، اور غیر مسلم طاقتور ہوں، لہٰذا تیاری کے دوران تک جہاد ملتوی کیا جا سکتا ہے، صرف امان وغیرہ پر اسے نہیں

چھوڑا جا سکتا،

جب قتال، مسلمانوں کے سامنے یا ان کے قریب ہو رہا ہو، تو ہر اس مسلمان پر جہاد فرض ہو جاتا ہے جو جہاد کرنے کا اہل ہو، بصورت دیگر یہ فرض، فرض کفایا بن جاتا ہے، یعنی اگر کوئی ایک مسلمان بھی، بعید از حال مسلمانوں کی طرف سے شریک جہاد ہو جائے گا، تو باقی مسلمانوں پر سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا، اور اگر کوئی مسلمان بھی شریک جہاد نہ ہو، تو پوری قوم گنہ گار ہو گی،

(۲) ایمان و امان - مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان، دینی نقطہ نظر سے علاقہ کی جو بنیاد ہے وہ حرب و پیکار ہے، جب کہ ایمان اور امان کی صورتیں نہ پیدا ہو رہی ہوں،

امان کی دو قسمیں ہیں،

(۱) وقتی امان

(۲) دائمی امان

وقتی امان کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱) خاص وقت کے لیے امان -

(۲) عام وقتی امان -

خاص وقت کے لیے جو امان ہوتی ہے، وہ تمام محصورین کو، یا کسی ایک شخص کو ایک مسلمان مجاہد کی طرف سے بھی دی جا سکتی ہے اور اس تامین خاص کے حق کو برقرار رکھنے کے لیے مسلمانوں کو سختی سے ممانعت کر دی گئی ہے کہ وہ ہرگز مقابلہ نہ کریں، اس لیے کہ ضرورت اور مصلحت مسلمین کا تقاضا یہی ہوتا ہے، اور ہر جنگ آزما کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ اس مصلحت

کا پورا پورا لحاظ رکھے، اور بغیر امام یا اس کے نائب کی اجازت کے کوئی قدم نہ اٹھائے،

اگر کوئی مسلمان مجاہد، محاربین میں سے سب سے، یا ان کی کسی جماعت سے، یا ان کے فرد واحد سے یہ کہہ دے کہ میں نے تمہیں امان دی! یا تم لوگوں کو امان دی گئی" تو اس امان کی پاسداری ہر مسلمان پر واجب ہوگی، اور وہ شخص، یا جماعت جسے کسی مسلمان نے امان دی ہے، بالکل محفوظ و مصئون ہو جائے گی، اس سے نہ مقاتلہ جائز ہوگا، نہ کسی قسم کا تعرض!

عام وقتی امان، تمام مسلمانوں کی طرف سے دی جاتی ہے، اور اس میں کسی فرد واحد یا جماعت خاص کی تخصیص نہیں ہوتی ہے، اور یہ وہ حق ہے جسے صرف امام یا اس کا نائب استعمال کر سکتا ہے، اس لیے کہ مصلحت عامہ پر وہی نظر رکھتا ہے، اور اس کا فیصلہ وہی کر سکتا ہے اور وہی ایک شخصیت ہے، جو مصالح امت اور حاجات وقت کا مرجع ہے، لہٰذا اسی کو حق ہے کہ جتنی مدت تک کے لیے چاہے، قتال اور جہاد کو روک دے،

اس عام وقتی امان میں، مسلمانوں، اور ان کے مخالفوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے، جس میں جنگ و پیکار اور جدال و قتال بند کرنے کا عہد کیا جاتا ہے، اور وہ بھی ایک مدت معینہ کے لیے، جس کی معاہدہ میں صراحت کر دی جاتی ہے۔

اس اصول کی بنیاد مسلمانوں کا وہ معاہدہ ہے جو صلح حدیبیہ میں انہوں نے مشرکین قریش سے کیا تھا، اس صلحنامہ کی دفعات میں سے ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ دس برس تک قتال و جدال نہیں کیا جائے گا، اور خود رسول اللہ نے اس معاہدہ پر دستخط ثبت فرمائے، کیونکہ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ

مصلحت عامہ کا تقاضہ یہی ہے کہ جدال و قتال بند کر دیا جائے، تاکہ مسلمان مشرکین عرب کی زیادتیوں سے محفوظ ہو جائیں، اور اپنے دین کے مخالفوں سے اختلاط پیدا کریں، اور انہیں خدا کی آیات سنائیں، اور انہیں دعوت اسلام دیں، نتیجہ یہ ہوا کہ مشرکین دین اسلام میں فوج در فوج داخل ہونے لگے اور معاہدہ التوا جنگ سے مسلمانوں کو بہت بڑی نصرت ملی، اس التواء جنگ سے جو فائدہ انہیں ہوا، وہ ہرگز جنگ و پیکار سے نہ حاصل ہوتا یہاں تک کہ بعض علماء کا قول ہے کہ "فتح مبین" سے مراد (انا فتحنا لک فتحا مبینا) فتح مکہ نہیں ہے، بلکہ صلح حدیبیہ ہے!

امان وقتی میں، اگر امام حالات کا تقاضا، اور اُمت کی مصلحت یہ دیکھے کہ اسے توڑ دیا جائے، تو وہ ایسا کر سکتا ہے، لیکن نقض امان سے پیشتر اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ مومنین (امان یافتہ لوگوں) کو وہ متنبہ کر دے اور قتال سے پیشتر انہیں خبردار کر دے، تاکہ ان کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہ جائے اور یک بیک وہ حملہ کی زد میں نہ آ جائیں، یہ اُصول اس ارشاد رسول پر مبنی ہے کہ ——— فی العھود وفاء لا غدر ——— یعنی عہد کی پابندی کرنی چاہیے، بدعہدی سے پرہیز کرنا چاہیے" ——— مسلمانوں کی طرف سے اگر وقتی امان توڑی جائے تو اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ انتباہ و اطلاع کے ساتھ مؤمنین (امان یافتہ لوگوں) کو اتنی مہلت دی جائے کہ نقض امان کی اطلاع ان سب کو ہو جائے، اور ان کی مملکت کے ایک ایک گوشہ میں اس کی خبر ہو جائے، تاکہ وہ اپنی قرار واقعی تیاریاں کر سکیں، اور مسلمانوں پر بے وفائی اور بدعہدی کا الزام نہ لگا سکیں، اور اگر نقض امن خود مومنین (امان یافتہ لوگوں) کی طرف سے ہو تو پھر کسی انتباہ کی ضرورت نہیں، اور اب مقاتلہ کے لیے

کسی اطلاع کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے خود نقض عہد کیا ہے، خود اپنی امان توڑی ہے خود غدر اور بے وفائی پر آمادہ ہوئے ہیں۔

رہائن کے ساتھ رعایت

البتہ اس صورت میں بھی مسلمانوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ ان کے پاس جو رہائن (یعنی یرغمال کے طور پر ان کے پاس مومنین میں سے جو لوگ) ہوں انہیں ہرگز قتل کرنا نہیں چاہیے، کیونکہ غداری اور بدعہدی کے مقابلہ میں اپنے عہد اور پاس وفا پر قائم رہنا بہرحال بہتر ہے، جیساکہ فرمان رسول ہے "لاتخن من خانک" — یعنی جو تم سے خیانت کرے تم اس سے خیانت نہ کرو۔

اب امان مؤید یعنی دائمی امان کو لیجیے، یہ باقاعدہ معاہدہ کے ماتحت ہوتی ہے، اور یہ عہد کوئی فرد واحد یا عامی نہیں کر سکتا، صرف امام یا اس کا نائب کر سکتا ہے، یہ اقدام اہل کتاب اور مشرکین غیر عرب کے ساتھ صحیح ہے، اور مرتدین، نیز مشرکین عرب کے ساتھ قطعاً جائز نہیں ہے، جب اس امان کے عہد نامہ پر دستخط ہو جائیں، تو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس کا پاس کرے، اور یہ کسی حالت میں بھی نہیں ٹوٹ سکتی،

ذمیوں کی امان کب ٹوٹتی ہے؟

ذمیوں کی امان تین صورتوں میں ٹوٹ سکتی ہے۔

(۱) کوئی اسلام لے آئے۔

(۲) کوئی دارالحرب چلا جائے۔

(۳) مسلمانوں پر زیادتی کرے۔

باقی جزیہ دینے سے انکار کرنا، یا کسی مسلمان کی خطا کرنا، یا کسی جرم کا

ارتکاب کرنا، بشرطیکہ وہ شخصی ہو، اجتماعی نہ ہو، نقض عہد کا موجب نہیں ہوتا"، یہ پابندیاں جو مسلمان پر عائد کی گئی ہیں، وہ اس اصول پر مبنی ہیں کہ اگر ذمی سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جس کی تاویل ہو سکتی ہو، یا جو محتمل شک ہو اس سے "ذمہ"، کا معاہدہ نہیں ٹوٹتا بلکہ وہ بدستور عائد رہتا ہے

(۳) دارالاسلام ——

شرح کی اصطلاح میں دارالاسلام وہ ہے، جس میں اسلام کے احکام جاری ہوں، اور اس میں ہر وہ شخص مامون ہو جو مسلمانوں کی امان میں ہو، خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی —

اور دارالحرب وہ ہے، جس میں احکام اسلام کا اجرا نہ ہوتا ہو، اور مسلمانوں کی امان میں جو ہوں وہ مامون نہ ہوں،

بہرحال اس رائے کے اصحاب نے اپنی رائے اور اصول کی بنیاد جو قرار دی ہے وہ یہ ہے کہ غیر مسلمین کو، جب اسلام کی دعوت دی جائے، اور انہیں دلائل حقہ سے روشناس کر دیا جائے، اور ان کے دلائل رد کر دیئے جائیں، ان کے شکوک رفع کر دیئے جائیں، اور ان پر آیات قرآنی واضح کر دی جائیں، اور پھر بھی وہ اپنی ضد پر اڑے رہیں اور اسلام نہ قبول کریں، اور اس کے آیات سے اعراض کرتے رہیں، اس کی دعوت مسترد کرتے رہیں، تو گویا وہ خود مسلمانوں کو جنگ کی دعوت دے رہے ہیں، اور اس صورت میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ان غیر مسلموں کو راہ حق پر جبراً لے آئیں، کیونکہ جب وہ دعوت حکمت، اور موعظہ حسنہ سے راہ راست پر نہیں آتے، تو اب اس کے علاوہ چارۂ کار ہی کیا ہے کہ ان پر جبر کیا جائے، اور انہیں راہ ثواب پر گامزن کر دیا جائے —؟

مسلم اور غیر مسلم

دوسرے فریق کا یہ خیال ہے کہ دولتِ اسلامیہ کا تعلق غیر مسلم حکومتوں سے اس اصول پر مبنی ہونا چاہیئے، جو علمار قانونِ دول نے مقرر کر دیا ہے، اور جو عہد حاضر کے اصول و قانون سے مطابق ہو، اور یہ کہ صرف اسلام اس بنا پر کسی غیر مسلم کے قتل کو جائز نہیں قرار دیتا کہ اس کا مذہب اسلام کے علاوہ کوئی اور ہے، اور مسلمانوں کے لیے ہرگز یہ روا نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے صرف اس بنا پر مقاتلہ کریں، کہ وہ مذہب اور دین میں ان کے مخالف ہیں، مسلمانوں کو قتال و جدال کی اجازت صرف اس صورت میں دی گئی ہے، کہ غیر مسلم، مسلمانوں پر زیادتی کریں، ان کے حقوق پامال کریں، اور انہیں پریشان کریں، یا دعوتِ اسلام کی راہ میں حائل ہوں، ایسی صورت ہو، تو بے شک قتال و جدال واجب ہے، تاکہ ظلم و زیادتی کا استیصال ہو جائے، اور دعوتِ اسلامیہ کا راستہ صاف ہو جائے، لیکن اگر یہ صورت ہو کہ مسلمانوں کے دینی معاملات پر دراز دستیاں نہ ہو رہی ہوں، نہ مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو، نہ دعوتِ اسلام کے راستہ میں سنگ گراں حائل ہوں، تو کسی طرح بھی جدال و قتال واجب نہیں ہے، نہ ان سے معاملت ناجائز ہے، نہ ان سے کاروبار حرام ہے غرض اس گروہ کی رائے میں جدال و قتال کی اس بنا پر اجازت نہیں دی جا سکتی کہ یہ بھی دعوتِ اسلام کا ایک طریقہ ہے، اس کی اجازت تو جب ہی مل سکتی ہے، جب دعوتِ اسلام پر ناروا پابندیاں ہوں، اور مقصود ظلم و زیادتی کرنے والوں کی سرکوبی ہو،

دلائل و بینات

اس گروہ کے دلائل و براہین، حسب ذیل ہیں :-

آیات قتال کی تشریح

(۱) قرآن کریم میں آیات قتال جو وارد ہوئی ہیں وہ زیادہ تر مکی و مدنی سورتوں میں ہیں، اور ان میں جدال و قتال کا جو حکم دیا گیا ہے وہ دو وجہوں سے دیا گیا ہے، ۔

(الف) دفع ظلم، اور قطع فتنہ،

(ب) دعوتِ اسلام کی حمایت

اس لیے کہ عہدِ رسول میں، کفار — عام اس سے کہ مشرکین عرب ہوں یا اہلِ کتاب — ہر صورت سے مسلمانوں کی ایذا رسانی پر مائل تھے، اور ہر ظلم و زیادتی، اور فتنہ و شرارت پر تلے رہتے تھے، ان کی کوشش یہ ہوتی تھی، کہ خواہ کتنا ہی ظلم و جبر کرنا پڑے، لیکن جو اسلام قبول کر چکا ہے، وہ ترک اسلام کرکے، پھر اپنے آبائی دین پر واپس آجائے، یا جو شخص اسلام قبول کرنے والا ہو، وہ اپنے اس ارادہ سے باز آجائے،

اس شرارت اور فتنہ سے کفار و مشرکین عرب کا مقصد یہ تھا، کہ دعوتِ اسلام کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کریں، اور دعوتِ اسلام کا راستہ مسدود کردیں،

پس، خدائے بزرگ و برتر نے مسلمانوں پر واجب کردیا، کہ وہ ان سرکشوں اور خطاکاروں سے جدال و قتال کریں، ان کی زیادتی کا سر کچل دیں، ان کی پیدا کی ہوئی رکاوٹوں کو دُور کردیں، یہاں تک کہ فتنہ کا قلع قمع ہو جائے، اور شر کی جڑ کٹ جائے، اور مدعیین اسلام اور دعوتِ اسلام میں کوئی حدِ فاصل، کوئی روک، کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے، تا آنکہ دین صرف خدا ہی کا رہ جائے ۔

آیات قرآنی سے استدلال

خدائے تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں، جو مدنی سورت ہے، ارشاد فرمایا ہے:۔

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم والفتنۃ اشد من القتل ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقاتلوکم فیہ فان قاتلوکم فاقتلوھم کذالک جزاء الکافرین فان انتھوا فان اللہ غفور رحیم، وقاتلوھم حتّٰی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ، فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظّٰلمین ــــ

ــــ یعنی اللہ کے راستہ میں قتال کرنے والوں سے مقاتلہ کرو، لیکن زیادتی مت کرو، بلاشبہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور تم انہیں جہاں پاؤ ہلاک کردو، اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکال دیا، اور کفر[1] سخت تر ہے قتل سے، اور ان سے مسجد حرام کے نزدیک مقاتلہ مت کرو، یہاں تک کہ وہ اس کے درمیان تم سے لڑیں پس اگر وہ تم سے لڑیں تم انہیں مارو، یہی سزا ہے کافروں کی، اور اگر وہ باز آجائیں تو بلاشبہ خدا بخشنے والا ہے اور لڑو ان سے یہاں تک کہ کفر نہ رہے، اور اللہ کا دین رہ جائے، اور اگر وہ باز آجائیں تو سوا ظالموں کے زیادتی کسی پر نہ کرنا، ــــ"

اسی طرح سورۂ نساء میں، جو مدنی سورت ہے، وارد ہوا ہے،

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال

---

[1] سیاقِ عبارت کے لحاظ سے اس جگہ شاہ رفیع الدین صاحب مرحوم نے "فتنہ" کا ترجمہ "کفر" کیا ہے اور میرے نزدیک وہی اقرب الی الصواب ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من
ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک
ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا۔ اور اللہ کے راستہ میں (جنگ
کرتے ہوئے) تم ناتواں مردوں سے اور عورتوں سے) اور لڑکوں سے نہ لڑو،
وہ جو کہتے ہیں اے پروردگار ہمارے ہم کو اس شہر سے کہ یہاں کے رہنے
والے ظالم ہیں، اور اپنی طرف سے ہمیں دوست دے اور اپنی طرف سے
ہمیں مددگار دے۔ ــــ"

اسی طرح سے خدائے تعالیٰ نے سورۂ انفال میں، جو مدنی سورت
ہے ارشاد فرمایا ہے۔

وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہ
للہ فان انتھوا فان اللہ بما یعملون بصیر ــــ" اور
ان سے مقاتلہ کرو، یہاں تک کہ کفر باقی نہ رہ جائے، اور دین صرف خدا
کا رہ جائے، اور اگر وہ باز آجائیں، تو جو کچھ وہ کرتے ہیں، خدا اسے
دیکھتا ہے۔ ــــ"

اسی طرح سورۂ حج میں ارشاد فرمایا گیا ہے، جو مکی سورت ہے:۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم
لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ
ــــ" یعنی جن پر ظلم کیا گیا، اُنہیں مقاتلہ کی اجازت دی گئی، اور بلا شبہ
اللہ ان کی مدد پر قادر ہے، وہ لوگ کہ نکالے گئے اپنے گھروں سے ناحق
(اس جرم میں) کہ انہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے ــــ"

ناجائز مقاتلہ

(۲) جمہور مسلمین کا اس پر اتفاق ہے، کہ عورتوں، بچوں، راہبوں، بوڑھوں، اندھوں، بیماروں، اور اس طرح کے دوسرے لوگوں سے نہ مقاتلہ جائز ہے نہ ان کا قتل جائز ہے، اگر مقاتلہ، اور جدال و قتال دعوتِ اسلام کا ایک جز ہوتا اور طریق دعوت میں سے ایک طریقہ ہوتا کہ دینِ اسلام کا کوئی مخالف باقی نہ رہنے پائے تو ان لوگوں کو مستثنیٰ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ان لوگوں کا استثنا اس بات کی دلیل ہے کہ قتال صرف انہی لوگوں سے جائز ہے جن کے عدوان، ظلم اور سرکشی کو دفع کرنا مقصود ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ لوگ اس لیے مستثنیٰ کیے گئے ہیں کہ ان کی حیثیت تو تابع کی ہوتی ہے، (جو ان کے بڑوں کی رائے وہ ان کی رائے، مثلاً شوہر کافر ہے، تو اس کی بیوی بھی اس کی پیروی پر مجبور ہے، باپ کافر ہے تو اولاد بھی کافر ہوگی) تو یہ خیال، عورتوں، اور بچوں کے بارے میں تو صحیح بھی ہو سکتا ہے، لیکن مستثنیات کے بواقی (باقی مستثنیٰ اصحاب کے بارے میں کیا کہا جائے گا، ؟ خصوصاً راہبوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ (وہ تو اپنے دین (غیر اسلامی) کے مبلغ اور داعی کہلاتے ہیں)

وسائلِ قہر و اکراہ دعوتِ دین کے طریقہ سے خارج ہیں

(۳) یہ کہ وسائلِ قہر و اکراہ کا شمار دعوتِ دین کے طریقوں میں شمار نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ دین کی بنیاد اعتقاد اور قلبی ایمان پر ہوتی ہے۔ اور یہ بنیاد دلیل و حجت پر مبنی ہو سکتی ہے نہ کہ تلوار اور نیزہ پر،

چنانچہ خود خدا کا ارشاد ہے ــــ " لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی ــــ " یعنی دین کے معاملہ میں

جبر روا نہیں اس لیے کہ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے ۔

اسی طرح یہ بھی فرمایا گیا کہ ــــ ولو شاء ربك لآمن من فی الارض کلهم جمیعا افانت تکره الناس حتی یکونوا مؤمنین ــ یعنی اگر تمہارا رب چاہتا تو اس کرۂ ارض کا ہر فرد مسلمان ہوتا، کیا تم لوگوں پر جبر کرنا چاہتے ہو یہاں تک کہ وہ سب مسلمان ہو جائیں ــــ" ؟

دولت اسلامیہ کی سیاست خارجیہ کے اصول

غرض اس رائے کے جو لوگ حامل ہیں، انہوں نے دولت اسلامیہ کی سیاست خارجیہ کو، اصول و قواعد ذیل پر مبنی قرار دیا ہے :۔

دعوت اسلام

(۱) اسلام کی طرف غیر مسلموں کو دعوت دینا، امت اسلامیہ پر فرض کفایا ہے، اگر کوئی ایک جماعت پیام دعوت لے کر کھڑی ہو جائے تو یہ فرض باقی امت پر سے ساقط ہو جائے گا، اور اگر کوئی فریق بھی اس پیام کو لے کر نہ کھڑا ہو تو ساری امت اسلامیہ گنہ گار ہوگی، اس لیے کہ محمدؐ کی رسالت عام ہے وہ خدا کی طرف سے تمام آدمیوں کے لیے بھیجے گئے تھے اس میں کسی امت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، نہ اس کا امتیاز ہے کہ کون رسولؐ کے زمانہ گرامی میں موجود تھا، اور کون ان کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد، عالم ہست و بود میں آیا ؟ رسالت سب کے لیے ہے مدعو سب ہیں اور اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولؐ کو حکم دیا تھا کہ جو کچھ ان کے رب کی طرف سے نازل ہو، اس کی تبلیغ فرمائیں، چنانچہ آپ اپنی حیات گرامی کے زمانہ میں امکان بھر دعوت و تبلیغ پر قائم رہے، اور زبان مبارک، خطوط، اور پیامبروں کے ذریعہ آپنے برابر دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔

خطبۂ حجۃ الوداع

آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس میں خدا کو اپنی تبلیغ کا گواہ کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ جو لوگ یہاں اس وقت موجود ہیں وہ آپ کا پیام ان لوگوں تک پہنچا دیں جو غیر حاضر ہیں، اور موجود نہیں ہیں اس فرمان کے مطابق، مسلمانوں پر واجب ہو گیا کہ کسی زمانہ میں بھی اسلام کی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پائے، اور محمدؐ پر جو کچھ نازل ہوا ہے وہ ہر اس شخص تک پہنچا دیا جائے، جس تک اسلام کا پیام نہیں پہنچا ہے۔

چنانچہ دولتِ اسلامیہ کے شئوں خارجہ میں سے پہلی جو چیز ہے، وہ "دعوتِ اسلام" کی تنظیم اور مبلّغوں کا تیار کرنا ہے، اور انہیں ان امتوں اور ملتوں میں منتشر کر دینا ہے، جن کا مذہب اسلام نہیں ہے، اور ایسے تمام شہروں اور ملکوں میں ان کا جال بچھا دینا ہے، اور اس سلسلہ میں اپنے امکان و استطاعت کے مطابق جملہ آسانیاں اور سہولتیں بہم پہنچانا واجب اور لازمی ہے۔

غیر مسلموں سے تعلق اور علاقہ کی بنیاد

(۲) مسلمانوں اور غیر مسلموں میں، تعلق اور علاقہ کی بنیاد صلح و امن ہے سوا اس صورت کے کہ ایسے حالات نہ ہو جائیں، جو جنگ کو واجب کر دیتے ہوں، یا دعوتِ اسلام میں رکاوٹ ڈالتے ہوں، یا مسلمانوں کے حقوق اور زندگی پر چھاپہ مارتے ہوں، یا مسلمان مبلّغوں اور داعیوں کی آمد پر، ان کی تبلیغ پر، اور ان کے کاموں پر ناروا پابندیاں عاید کرتے ہوں، اور جو لوگ راہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں، ان کے لیے فتنہ و شر کے دروازے کھول دیتے ہوں،

(۳) دارالاسلام و دارالحرب۔

دارالاسلام سے مراد ہے، وہ علاقہ جہاں اسلامی احکام نافذ ہوں، اور مسلمان علی الاطلاق امن و امان میں ہوں، اور دارالحرب سے مراد وہ علاقہ ہے جس کا امن دارالاسلام کا سا نہ ہو، وہاں مسلمانوں پر، ان کے حقوق پر، ان کے مراسم پر زیادتیاں ہوتی ہوں، نیز ان کی دعوت اسلام پر، اور داعیان اسلام پر بھی ناروا پابندیاں عائد ہوں،

اب ثابت ہوگیا کہ دولت اسلامیہ اور غیر مسلم حکومت کے درمیان، دارالاسلام اور دارالحرب کا اختلاف کیا ہے؟

اگر غیر مسلم عہد حکومت میں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو، ان کی دعوت رد کی جا رہی ہو، اور مسلمان اس ظلم کو رفع کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہوں، اور اپنی دعوت اسلام کے اجراء کے لیے آمادہ عمل ہوگئے ہوں، اور ان علاقوں سے انہوں نے تعلقات منقطع کر لیے ہوں، اور حمایت و حفاظت کا عہد ٹوٹ گیا ہو، اور دونوں ممالک (دارالاسلام اور دارالحرب) کے رہنے والے ایک دوسرے کے ملک میں مامون رہ گئے ہوں، تو یہ جائز ہے،

لیکن وہ غیر مسلم قوم جس نے مسلمانوں پر ظلم نہ کیا ہو، اور دعوت اسلام میں آڑے نہ آتی ہو، اور انہیں آزاد چھوڑ دیا ہو، کہ وہ اپنے دین پر جس طرح چاہیں عمل کریں، اور جس طرح چاہیں اپنے براہین قائم کریں، نہ وہ داعی (اسلام) کے راستہ میں رکاوٹ ڈالتی ہو، نہ مدعو (نو مسلم) کے لیے فتنہ کا سامان کرتی ہو، تو ایسی حکومت سے نہ جدال و قتال جائز ہے نہ اس سے امن و صلح کے تعلقات کا قطع کرنا روا ہے؛ اس کے اور مسلمانوں کے درمیان امان ثابت ہے، اس بنیاد پر کہ اصل تو بہرحال صلح و امن ہے، اور یہ بنیاد اسی وقت ٹوٹ سکتی ہے، جب مسلمانوں پر زیادتی

ہو، یا ان کی تبلیغ دعوت پر ناروا اور ناقابلِ برداشت پابندیاں ہوں،

افکار و آرا کا اہم فرق

ان دونوں گروہوں کے افکار و آرا میں جو فرق ہے، اسے اگر مختصر الفاظ میں بیان کرنا چاہیں، تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ پہلے گروہ کے نزدیک جہاد اس لیے مشروع ہے کہ دعوتِ اسلام کے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے، یا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ غیر مسلم مجبور ہے کہ دینِ اسلام قبول کرے، خواہ برضا و رغبت ـــــ حکمت اور موعظۂ حسنہ سے ـــــ یا بہ جبر و اکراہ ـــــ غزوہ اور جہاد سے ـــــ

اور دوسرے گروہ کے نزدیک جہاد اس لیے مشروع ہے کہ مسلمانوں پر جو ظلم ہو رہا ہو، اسے دفع کیا جائے، اور دعوتِ اسلام کے راستہ میں جو رکاوٹیں ہوں انہیں روکا جائے، لیکن اگر کوئی اسلام کی دعوت نہ قبول کرے، اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں سے مقاومت بھی نہ کرے، دعوتِ اسلام کے راستہ میں مانع بھی نہ ہو، تو نہ اس سے جدال و قتال جائز ہے، اور نہ اس کے امن کو خوف سے بدلنا روا ہے،

اسی طرح پہلے گروہ کے نزدیک مسلمانوں اور غیر مسلموں میں امان کا تعلق صرف اسی طرح قائم ہو سکتا ہے، کہ انہیں امانِ عام یا خاص دیدی گئی ہو، یا ان سے کوئی عہد کر لیا گیا ہو، یا انہیں ذمّی بنا لیا گیا ہو، اور دوسرے گروہ کے نزدیک مسلمانوں اور غیر مسلموں میں جنگ قطعاً جائز نہیں ہے، جب تک غیر مسلم مسلمانوں پر ظلم نہ کریں، دعوتِ اسلام میں رکاوٹ نہ ڈالیں، داعیانِ اسلام کو تکلیف نہ پہونچائیں، تو مسلموں پر عرصۂ حیات نہ تنگ کریں،

دوسرے الفاظ میں پہلا گروہ، دار الاسلام اور دار الحرب کو اختلافِ

دین پر مبنی قرار دیتا ہے، اور دوسرے گروہ کے نزدیک، اختلاف اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب انقطاع عہد ہو، گویا اختلاف کی بنیاد اسلام یا عدم اسلام نہیں ہے، بلکہ امن اور دہشت ہے۔

ہر دو افکار پر محاکمہ

نظر صحیح ان لوگوں کی تائید کرتی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے، مسلمانوں اور نا مسلمانوں کے درمیان تعلق کی بنیاد مسالمت اور امان قرار دی ہے، نہ کہ حرب و قتال! سوا اس صورت کے کہ مسلمان فتنہ میں مبتلا کر دیئے گئے ہوں، ان کے دین کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالی جا رہی ہوں، ان کی دعوتِ اسلام کا دروازہ بند کر دیا گیا ہو، اس صورت میں بلاشبہ مسلمانوں پر جہاد فرض ہے کہ وہ شر کو دفع کر دیں، اور دعوت و تبلیغ کا راستہ کھول دیں،

قرآن کریم کی چند آیتیں

اس خیال کی تائید سورۂ ممتحنہ (مدنی)، کی ان آیات سے بھی ہوتی ہے۔

لاینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ لا یحب المقسطین. انما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولٓئک ھم الظالمون

—" ان لوگوں پر احسان کرنے سے نہیں منع کرتا اللہ کہ جو تم سے نہیں لڑے دین کے معاملہ میں اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا، یہ کہ تم ان پر احسان کرو، ان سے انصاف کرو، بلاشبہ انصاف کرنے والوں کو اللہ دوست رکھتا ہے، سوا اس کے کہ منع کرتا ہے احسان کرنے سے ان لوگوں کے بارے

ہیں کہ لڑے تم سے دین کے معاملہ میں اور نکال دیا تم کو تمہارے گھروں سے اور تمہارے اخراج کے سلسلہ میں مدد کی، اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی کرے وہ ظالموں میں سے ہے ــــ (۱)"

اسی طرح سورۂ نساء (مدنی) میں وارد ہوا ہے :۔

فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا" ــــ "یعنی :۔ اگر وہ تم سے الگ رہیں، اور تم سے مقاتلہ نہ کریں تو ان سے صلح رکھو، اللہ نے تمہارے لیے ان سے لڑنے کی کوئی صورت نہیں رکھی ــــ"

یا سورۂ توبہ (مدنی) میں ارشاد ہوا :۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ ــــ "یعنے اگر وہ صلح پر مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ، اور اللہ پر بھروسہ رکھو"

قرآن مجید کی بہت سی آیاتِ مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل روح امن و صلح ہے، اور سچ پوچھئے تو یہ مستبعد بھی ہے کہ اسلام نے مسلمانوں اور نامسلمانوں کے درمیان ایک غیر منقطع اور دائمی جنگ کا تعلق پیدا کر دیا ہو اور جہاد و قتال اس لیے مشروع کیا گیا ہو، کہ دعوتِ اسلام کا ایک طریقہ یہ بھی ہے، یہ مستبعد یوں ہے کہ اسلام دین میں "اکراہ" کو پسند نہیں کرتا، وہ اسے بھی ناپسند کرتا ہے کہ لوگوں کو خلافِ مرضی دین اسلام میں داخل کر لیا جائے اور یہ ممکن بھی کس طرح ہے جبر و جور سے ایمان پیدا ہو جائے، اور تلواروں کی نوک دل تک بھی پہنچ جائے!

دعوتِ اسلام، دعوتِ توحید، اور دعوتِ اخلاص اللہ کا ایک ہی طریقہ

---

(۱) ترجمۂ قرآن رفیع الدین مرحوم۔

ہے ۔ اور وہ ہے دلیل و حجت، نہ کہ تلوار و خنجر، چنانچہ اسلام کی تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے کہ جب کبھی غیر مسلموں نے فتنہ و شر سے علیحدگی اختیار کیئے رکھی، اور مسلمانوں کو دعوتِ اسلام کے بارے میں آزاد چھوڑ دیا، تو مسلمانوں نے کبھی تلوار نہیں اُٹھائی، اور کبھی اعلانِ جنگ نہیں کیا،

آیاتِ قتال کی نوعیت

فریقِ اول جن آیاتِ قتال سے دلیل لاتا ہے وہ اس کے نزدیک مطلق ہیں، مقید نہیں ہیں، لیکن یہ دلیل صحیح نہیں ہے، اس لیے کیوں نہ تطبیق کی یہ صورت نکالی جائے کہ آیاتِ مطلقہ کو بھی آیاتِ مقیدہ پر حمل کیا جائے؟ مثلاً اللہ تعالےٰ نے قتال کا حکم قطعِ فتنہ، حمایتِ دعوت کے لیے دیا ہے، اس حکمِ قتال کے ساتھ کہیں سبب بیان فرمایا گیا ہے، اور کہیں سبب کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، جہاں ذکر نہیں کیا گیا ہے اس کی وجہ بھی ہو سکتی ہے، کہ چونکہ دوسری آیات میں ذکر ہو چکا ہے، لہٰذا سبب بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی،

اگر آیات میں تعارض ہوتا، تو ہم یہ سمجھتے کہ آیاتِ متاخرہ، آیاتِ متقدمہ کی ناسخ ہیں،

ہم آیاتِ مقیدہ کو منسوخ بھی نہیں مان سکتے، کیونکہ جدال و قتال کا وجوب، دفعِ عدوان کے لیے مجمع علیہ ہے، آج تک اس وجوب کے نسخ کے بارے میں کسی نے بھی کچھ کہنے کی جرأت نہیں کی ہے،

آیات کے تعارض، اور آیاتِ مطلقہ سے آیاتِ مقیدہ منسوخ ہونے کو بھی نہیں مانا جا سکتا، اسی طرح تو بہت سی آیتیں ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گی، اور پھر نہ معلوم کتنی بہت سی آیتوں کو ہمیں منسوخ ماننا پڑے گا

چنانچہ اس اصول پر بعض مفسرین کے قول کے مطابق صرف آیت سیف سے، تقریباً ایک سو بیس آیتیں منسوخ ماننا پڑیں گی یہ وہ آیتیں ہیں، جن میں عفو کی ترغیب دی گئی ہے، حکمت اور موعظۂ حسنہ کے ساتھ دعوت وتبلیغ کی ہدایت کی گئی ہے، جدال حسن کا ذکر کیا گیا ہے، دین کے معاملہ میں جبر و اکراہ کی ممانعت کی گئی ہے تو کیا یہ آیتیں ایک مطلق آیت کی وجہ سے ان حضرات کے نقطۂ نظر کے موافق منسوخ مان لی جائیں ؟ یہ تو کسی طرح بھی ممکن نہیں ہو سکتا۔

حدیثِ نبوی ؐ سے کیا ثابت ہوتا ہے ؟

پہلا گروہ اپنی دوسری دلیل حدیث نبوی — امرت ان اقاتل الناس — "یعنی مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے مقاتلہ کروں" پیش کرتا ہے، لیکن اس سے بھی اس کا مدعا ثابت نہیں ہوتا، اس لیے کہ عام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس حدیث میں "ناس" سے مراد "مشرکین عرب" ہیں مشرکین عرب کے علاوہ، دوسرے غیر عرب مشرکین اور اہل کتاب کے لیے دوسرا حکم ہے، وہ حکم یہ ہے، وہ اگر صلح پر مائل ہوں، اور مصالحت کی دعوت دیں، اور جزیہ دینے پر آمادہ ہوں، تو ان سے صلح کی جائے،

غرض حدیث بالا میں "ناس" سے مراد خاص طور پر مشرکین عرب ہیں، جو مسلمانوں پر حد سے زیادہ ظلم و جور کرتے تھے، لہٰذا اللہ نے اپنے رسول ؐ کو حکم دیا کہ وہ ان سے مقاتلہ فرمائیں، یہاں تک کہ ان کا شر ٹوٹ جائے اور ان کا وہ جمود کہ ہم تو وہی کریں گے جو ہمارے باپ دادا کرتے تھے، دور ہو جائے، اور ان کی سرکشی کا زور کم ہو جائے، ان کے شر کو اس کے سوا کسی طرح دفع کیا ہی نہیں جا سکتا تھا، کہ یا تو وہ اسلام لے آئیں، یا ہمیشہ

ہمیشہ کے لیے کچل دیئے جائیں۔

مشرکین عرب سے اگر ذرا بھی اصلاح احوال کی امید ہوتی، تو یقیناً انہیں بھی ذمی بنانے کی اجازت دے دی ہوتی، اور ان سے جزیہ لینا قبول کر لیا جاتا، جس طرح سے دوسرے مشرکوں کے ساتھ کیا گیا،

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ حدیث ایک خاص گروہ کے بارے میں ہے، اور اس میں جس "قتال" کا ذکر کیا گیا ہے، وہ دفع شر کے لیے ہے نہ کہ دعوت اسلام کے لیے، اور یہ قتال دعوت اسلام کے لیے ہوتا، تو تمام مشرکوں اور کافروں سے رسول اللہ جہاد فرماتے، اور کسی سے صلح نہ کرتے،

کافروں سے پیمان دوستی

اس گروہ کی تیسری دلیل یہ ہے کہ کافروں کو دوست بنانے سے منع کیا گیا ہے، لیکن یہ کوئی دلیل نہیں ہوئی، اس لیے کہ اس نہی کا مورد یہ ہے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں سے موالات نہ کی جائے، انہیں حلیف نہ بنایا جائے، ان کی مدد نہ کی جائے، لیکن اگر موالات، مسالمت کی ہم معنی ہو، حسن معاملت کا مفہوم رکھتی ہو، باہمی کاروبار، اور تبادلہ منفعت اس سے مقصود ہو، تو اس کی نہ شرعاً ممانعت ہے، اور نہ یہ غیر مناسب ہے اور ایسا ہو بھی کیونکر سکتا ہے، جب کہ خود خدائے تعالیٰ نے مسلمان کے لیے جائز کر رکھا ہے، کہ وہ کافرہ (کتابیہ) سے نکاح تک کر سکتا ہے، کیا شادی بغیر موالات، اور محبت کے ہو سکتی ہے؟ غرض اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہی کہ کافر اور مشرک، اگر مسلمانوں سے برسرپیکار ہوں، جنگ آزما ہوں ان پر ظلم اور زیادتی کرتے ہوں، ان سے مقاتلہ کر رہے ہوں تو انہیں حلیف بھی نہیں بنایا جا سکتا، اور ان سے موالات بھی نہیں کی جا سکتی،

امام رازی کا قول کافروں سے موالات کے بارے میں

امام فخرالدین (رازی) نے اپنی مشہور تفسیر میں فرمایا ہے کہ " موالات کے تین درجہ ہوتے ہیں !"

(۱) وہ موالات جو کفر پر راضی ہو، یہ موالات حرام ہے، اس لیے کہ کفر کے ساتھ رضامندی بجائے خود کفر ہے،

(۲) دنیاوی زندگی کے سلسلہ میں ایک موالات ہوتی ہے، جسے "معاشرت جمیلہ" سے تعبیر کرتے ہیں، اس کی اسلام ممانعت نہیں کرتا،

(۳) کفار کی طرف یہ جانتے ہوئے کہ ان کا دین باطل اور ان کا عقیدہ غلط ہے، میلان کا اظہار، ان کی امداد و اعانت ان کی حمایت اور پشت پناہی یہ بھی شرعاً منع ہے اس لیے کہ اس صورت میں موالات کا جاری رکھنا، یہ مطلب رکھتا ہے، کہ گویا کافروں کا طریقہ پسندیدہ ہے، اور ان کا دین اچھا ہے یہ طرز عمل بھی تعلیمات اسلامی کے منافی ہے،

جو علماء صلح کی اسپرٹ کے موید ہیں، ان میں امام فخرالدین رازی بھی ہیں، چنانچہ وہ اپنی تفسیر میں —— لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد صـ
—— تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"جب خدائے تعالےٰ نے توحید کے دلائل کو شافی اور قاطع طور پر بیان فرمادیا اور ہر عذر کو باطل کردیا، تو فرمایا کہ ان دلائل توحید کے ایضاح و تشریح کے بعد، اب کافروں کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا ہے، کہ اپنے کفر پر قائم رہیں، پھر بھی جبر و قہر کے ساتھ انہیں مسلمان بنانا ہرگز جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ دنیا دار الابتلا ہے، یہاں اگر دین کے معاملہ میں قہر اور قسر سے کام لیا جائے

، تو ابتلا اور امتحان کا مطلب ہی غلط ہو جائے گا ، اور اس کی نظیر خدا کا یہ قول ہے کہ — ولو شاء ربك لآمن من في الارض كلهم جميعا افانت تكره الناس حتى يكونوا مومنين

اس تاویل کی تائید خدائے تعالےٰ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ لا اکراہ فی الدین کہنے کے بعد، قد تبين الرشد من الغي ارشاد ہوا، یعنی خدا جانتا ہے کہ دلائل ظاہر ہو گئے ، بینات واضح ہو گئے اور اب بھی اگر کوئی ان دلائل اور بینات کو نہ مانے تو بظاہر اسے راہ راست پر لانے کا طریقہ یہی ہے کہ جبر وقہر سے اسے راہ صواب پر گام فرسا کیا جائے ، لیکن پھر بھی اس کی اجازت نہیں ہے ، کیونکہ یہ طرزِ عمل ابتلا کے منافی ہے ، —"[1]

امام ابن تیمیہ کے ارشادات

امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی و الراعیہ" میں فرمایا ہے :-

"قتال مشروع یعنی جہاد کا مقصود یہ ہے کہ مذہب (دین) صرف خدا ہی کا باقی رہ جائے ، اور خدا ہی کا کلام سربلند رہے ، تو جو اس راہ کا مانع ہو گا ، اس کا قتل اور اس سے قتال باتفاق مسلمین جائز ہے ، اور جو لوگ اہل ممانعت و مقاتلہ نہ ہوں ، — مثلاً عورتیں ، بچے ، بوڑھے ، راہب اندھے بیمار وغیرہ سوا اس صورت کے کہ وہ اپنے قول یا عمل سے مقاتلہ

---

[1] ملاحظہ ہو تفسیر کبیر (امام رازی)

کریں، جمہور علماء کے نزدیک ان کا قتل ناجائز ہے، اگرچہ بعض علماء کی یہ رائے بھی ہے کہ عورتوں اور بچوں کے علاوہ سب کا قتل صرف جرم کفر میں جائز ہے، اس لیے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں اور ان سے مقاتلہ جائز ہے،

جو ہم سے قتال پر آمادہ ہو، یا جو ہماری دعوت و تبلیغ کے راستہ میں آڑے آتا ہو، اس سے قتال جائز ہے، خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے —— وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا، ان اللہ لا یحب المعتدین۔

"یعنی ان لوگوں سے مقاتلہ کرو جو خدا کے راستہ میں تم سے مقاتلہ کرتے ہوں، لیکن ظلم و زیادتی نہ کرو، اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے"

سنت رسول کی تائید

سنن رسول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، ایک مرتبہ رسول اللہؐ ایک مقتول عورت کے پاس سے گزرے، جو کسی غزوہ میں قتل ہوئی تھی، اور لوگ اس کے پاس کھڑے ہوئے تھے، آپ نے پوچھا "کیا اس نے بھی مقاتلہ کیا تھا"؟ پھر آپ نے ایک شخص سے فرمایا، جاؤ خالد سے کہو، بچوں کو اور مجبوروں کو قتل نہ کریں" اسی طرح ایک موقع پر سرکار رسالتؐ نے فرمایا، شیخ فانی طفل صغیر، اور عورت کا قتل ناجائز ہے" اس حکم کی مصلحت یہ ہے کہ قتل انہی لوگوں کا جائز ہے کہ جن کے قتل میں بندگانِ خدا کی صلاح و فلاح مضمر ہو، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے الفتنۃ اشد من القتل!

لہ ملاحظہ ہو السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ (ابن تیمیہ)

امام رازی نے اپنی تفسیر میں سورۂ بقر کی اس آیت

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا

کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

یہ آیات مجمل ہیں ان کی تفسیر اور شان نزول پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا، کہ حالت احرام میں، بلد احرام میں، شہر حرام میں مسلمانوں کے لیے قتال اس صورت میں جائز ہے، کہ مشرکین خود ان پر دراز دستی کریں بشرطیکہ وہ پر سکون رہیں، اپنے عہد پر قائم رہیں، ظلم و زیادتی نہ کریں"

ناسخ و منسوخ کی حیثیت

ان آیات میں ناسخ و منسوخ کا سوال نہیں ہے، یہ واقعات کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں، اور ان کے احکام اپنی جگہ پر قائم ہیں، ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ ان میں نسخ نہیں ہے، اور جو شخص حکم قتال کو عمومی طور پر مراد لے تو وہ ان آیات کا ایسا مفہوم مراد لے رہا ہے، جو ان کا اصل مفہوم نہیں ہے، سورۂ آل عمران کی آیات غزوہ احد کے وقت نازل ہوئی تھیں، اور یہ وہ وقت تھا، جب مشرکین عرب مسلمانوں پر زیادتی کر رہے تھے، سورۂ انفال کی آیات غزوۂ بدر میں اتری تھیں، اس زمانہ میں مشرکین دراز دستیوں پر تلے ہوئے تھے، سورۂ براۃ کی آیات بھی مشرکین کے نکث عہد کے سلسلہ میں اتری تھیں، اسی لیے فرمایا:۔

الا تقاتلون قوماً نکثوا ایمانہم وھموا باخراج الرسول وھم بدأوکم اول مرۃ — "یعنی ان لوگوں سے ضرور مقاتلہ کرو، جنہوں نے معاہدے توڑ دیے، اور اخراج رسول کی کوشش کی اور جنہوں نے پہل کی"

مشرکین کا ظلم و جور

مشرکین خود مسلمانوں کو جدال و قتال پر مجبور کر رہے تھے، اور اگر مسلمان آمادۂ قتال نہ ہوتے تو مسلمانوں کا اعتدا اخراج رسول پر منتج ہوتا، مسلمان فتنہ میں مبتلا ہوتے، انہیں ایذا دی جاتی، ان کی دعوت و تبلیغ بند کر دی جاتی ان میں سے ہر چیز مشرکین کے اعتدا اور زیادتی کو ثابت کرنے کے لیے کافی تھی، اور اس کے مقابلہ میں مقاتلہ جائز تھا، لہٰذا ان مواقع پر رسول اکرم کا قتال حق کی مدافعت اور دعوت حق کی حمایت کے لیے تھا، اسی لیے جواز قتل کی شرط میں تقدیم دعوت ملحوظ رکھی گئی ہے، اور دعوت حجت اور برہان پر مبنی ہوتی ہے نہ کہ تلوار اور سنگین پر، پس اگر کفار و مشرکین ہمیں دعوت کا حق نہ دیں اور قوت سے روکیں، داعی کو دھمکائیں، یا قتل کریں۔ تو ہم پر فرض ہے کہ حمایت دعوت اور نشر دعوت کے لیے ہم مقاتلہ کریں، اور یہ مقاتلہ اس لیے نہیں ہو گا کہ انہیں زبردستی مسلمان بنایا جائے، کیونکہ خدا اس سے منع فرماتا ہے،

فرماتا ہے ـــــ "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی ـــــ" یا فرمایا ـــــ افانت تکرہ النّاس حتی یکونوا مؤمنین بلکہ اس حق کے لیے ہوگا، کہ ہم دعوت اسلام دے سکیں۔

خواہ مخواہ جنگ نہیں کی جاسکتی

اور اگر یہ صورت ہو کہ دعوت اسلام پر پابندی نہ ہو، دعاۃ کو ایذا نہ پہونچائی جاتی ہو، انہیں قتل نہ کیا جاتا ہو، انہیں ڈرایا دھمکایا نہ جاتا ہو، مسلمانوں پر ظلم و زیادتی نہ ہوتی ہو، تم ہم پر خدا نے اس حالت میں ہرگز قتال فرض نہیں کیا ہے، کہ ہم خواہ مخواہ خدا کے بندوں کا خون بہائیں، لوگوں کے جسم

وجان کا رشتہ منقطع کریں، یا کسی اور طمع کے سبب حرب و پیکار پر آمادہ ہوں۔

صحابہ کی لڑائیاں

صدر اول میں حروب صحابہ پر غور کیجیے، تو معلوم ہوگا کہ صحابہ نے جتنی لڑائیاں لڑیں، وہ سب صرف حمایت دعوے کے لیے تھیں، اس لئے تھیں کہ مسلمان کفار و مشرکین کے ظلم و جور سے محفوظ رہیں، اس لیے نہیں تھیں کہ مسلمان خود ظلم کریں،

روم والے بلاد عربیہ کی سرحدوں پر دھاندل مچایا کرتے تھے، جو شخص اسلام قبول کر لیتا تھا اسے طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے،

فارس کے لوگ ان سے بھی دو قدم آگے بڑھے ہوئے تھے، یہ وہ تھے جنہوں نے رسول اللہ کے مکتوب گرامی کا پھاڑ ڈالا تھا، دعوت اسلام رد کردی تھی، مسلمانوں کو شدید ایذائیں پہونچاتے تھے، اسلام کے قاصدوں کو دھمکی دی تھی، غرض اسی طرح کی بہت سی حرکتیں کرتے رہتے تھے، لہٰذا ان کے خلاف تلوار اٹھانا، لازمی اور ضروری تھا،

قوی اور ضعیف کی کشمکش

اور اس کے بعد فتوحات کو لیجیے، تو معلوم ہوگا، کہ قوی اپنے کمزور پڑوسی پر دست تظلم دراز کرتا تھا، کوئی غالب قوم بھی، مغلوب قوم کے ساتھ رحم و کرم کا برتاؤ نہیں کرتی تھی، دُنیا کی کوئی قوم عربوں کے مقابلہ میں نہیں پیش کی جا سکتی تھی، جس نے اپنے فتوحات کے دَور میں ضعیف اور کمزور اقوام کے ساتھ عربوں سے زیادہ رحم و شرافت کا سلوک کیا ہو، اور اس کی شہادت خود علمائے فرنگ دیتے ہیں،

غرض قتال کے بارے میں صاف بات یہ ہے، کہ جہاد دفاع حق حمایت دعوت اور نصرت دین کے لیے فرض کیا گیا ہے،

ہماری ان تصریحات سے ثابت ہوگیا کہ اعدار اسلام کا یہ دعویٰ بالکل جھوٹ ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے، اور جاہلوں اور متعصبوں کا یہ قول بھی غلط ہے کہ اسلام دین الٰہی نہیں ہے، کیونکہ خدائے رحمٰن ورحیم خون ریزی کی اجازت نہیں دے سکتا، نیز اسلام کے دشمنوں کا یہ دعوےٰ بھی مہمل ثابت ہوگیا کہ عقائد اسلامیہ مدنیت وحضارت کے لیے ایک مستقل خطرہ ہے، اسلام تو سارے جہان کے لیے رحمت عامہ ہے، اور بس!

امثال و نظائر

کیا چشمِ فلک نے یہ منظر بھی کبھی دیکھا ہے ؟

گزشتہ اوراق میں عہد خلافت کا ایک مختصر سا خاکہ ہم پیش کر چکے ہیں، جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ، اس عہد گرامی میں حکومت کس طرح کی جاتی تھی؛ رعایا کے ساتھ کیسا برتاؤ ملحوظ رکھا جاتا تھا؟ عامۃ مسلمین کے شہری اور ذاتی حقوق کی کیونکر نگہداشت کی جاتی تھی؟ غیر مسلموں کو نہ صرف اپنے دینی معاملات میں مکمل آزادی حاصل تھی، بلکہ مملکت اسلامیہ کے ایک شہری ہونے کی حیثیت سے دیکھیں، وہ تمام آزادیاں اور سہولتیں حاصل تھیں، جو کسی مسلمان کو حاصل ہو سکتی تھیں، بلکہ بعض اعتبارات سے تو انہیں مسلمانوں سے بھی زیادہ رعائتیں حاصل تھیں،

اسی دور میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا، اور وسیع پیمانہ پر جاری رہا۔ غیر مسلموں سے جنگ ہوئی، صلح ہوئی، معاہدے ہوئے، انہوں نے رضاکارانہ طور پر محکومی اختیار کر لی، وہ شکست سے دوچار ہوئے، انہوں نے ذمی بننا منظور کر لیا، وہ خراج دینے پر آمادہ ہو گئے، انہوں نے جزیہ دینے پر آمادگی ظاہر کی، انہیں سرکاری ملازمتیں ملیں، ان پر اعتماد کیا گیا، ان سے راہ و رسم بڑھائی گئی، ان سے رشتہ و پیوند کے تعلقات قائم ہوئے، ان

سے میل جول بڑھا، اُنھوں نے صلح کے باوجود جنگ کی تیاریاں کیں، معاہدے کے باوجود بغاوت کی، پیمانِ دوستی باندھ کر سازش کی، اعتماد حاصل کرکے۔ اعتماد شکنی کی، مسلمانوں کی حمایت میں آنے کے باوجود، اپنے ہم قوموں اور ہم مذہبوں سے نہ صرف ربط ضبط قائم رکھا بلکہ ان کے جاسوس بنے رہے۔ ان کے لیے معلومات حاصل کرتے رہے، انھیں طرح طرح سے فائدے پہنچاتے رہے، لیکن ان مختلف اور متعدد، اور متنوع حالات کے طویل دور میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ، ان سے انتقام لیا گیا ہو، انھیں ہدفِ ستم بنایا گیا ہو، ان کے ساتھ زیادتی کی گئی ہو، ان کے حقوق چھینے گئے ہوں، جو مراعات انھیں دیے گئے تھے، وہ واپس لے گئے ہوں، عیسائی حکومتوں سے مسلمان لڑتے تھے، لیکن عیسائی ذمیوں کے ساتھ برادرانہ برتاؤ کرتے تھے، یہودیوں سے جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری تھا، لیکن معاہد یہودیوں کے ساتھ اُن کا برتاؤ صرف فراخ دلی اور رواداری ہی کا تھا، مشرکوں اور کافروں کے سروں پر تلواریں چمکتی تھیں، لیکن ان میں سے جو مشرک اور کافر —— مجوسی وغیرہ —— مسلمانوں کی امان میں آ گئے، اُنھیں یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ پالا دشمن سے پڑا ہے۔

ان واقعات کو پیشِ نظر رکھ کر بار بار، واقعات ہندوستان کے یاد آتے ہیں، بھارت کی حکومت کو اس پر فخر ہے کہ وہ مہذب ہے متمدن ہے مسلم ممالک کے ساتھ اس کے تعلقات بہت زیادہ دوستانہ ہیں، کرنل ناصر نے بھارت کی دوستی میں پاکستان سے بگاڑ پیدا کر لیا، سلطان ابن سعود نے بھارت کا دورہ کیا، ہاتھوں ہاتھ لیے گئے، اور چلتے وقت انڈین گورنمنٹ کو سرٹیفکیٹ دیتے گئے، کہ یہاں مسلمان بڑی اچھی حالت میں ہیں، شام

کے صدر مملکت سید قوتلی نے بھارت کا دورہ کیا، پنڈت نہرو کو برادر گرامی "کے خطاب سے نوازا، اور جب روانہ ہونے لگے، تو، دنیا کو یہ باور کرا تے گئے کہ بھارت میں مسلمان اچھی طرح شاد اور خرم ہیں، پنڈت نہرو سعودی عرب کے دورے پر تشریف لے گئے، دارالحکومت ریاض میں جب پہنچے تو انہیں "رسول السلام" کے نام سے یاد کیا گیا۔ اسی طرح، کہ صلح و سلام اور امن و امان ان کی زندگی کا نصب العین ہے، لیکن انہی پنڈت نہرو کے دور حکومت میں اور عالم اسلام کے اسی دوست ملک بھارت میں آج بھی ہزاروں مسجدیں پکار پکار، کر کہہ رہی ہیں کہ ہمیں فواحش کا اڈہ بنا یا گیا ہے، ہمارے صحن دارسے قمار خانے کا کام لیا جاتا ہے۔ ہمارے مینارے سنسان پڑے ہیں، وہاں سے اب اذان کی آواز بلند نہیں ہو سکتی، جن محرابوں میں سجدے کیے جاتے تھے، وہ اب نجاست کا مرکز ہیں، خدا را ہمیں بچاؤ، لیکن یہ فریاد نہ سلطان ابن سعود کے گوش حق نیوش تک پہنچتی ہے، نہ سید قوتلی کہ دہن مبارک تک، نہ کرنل ناصر کی بارگاہ فلک پائگاہ میں، یہی نہیں پنڈت نہرو کے دارالحکومت میں، اور، دوست ملک بھارت میں اب بھی ایسی ہزاروں لڑکیاں اور عورتیں موجود ہیں، جنہیں صرف اس وہم میں کہ وہ مسلمان ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھیں بے آبروئی، اور بے عصمتی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا گیا، انہیں ان کے ماں باپ سے چھین لیا گیا، بھائیوں سے چھڑا لیا گیا۔ ملت، قوم، مذہب، خاندان، برادری، سے محروم کر دیا گیا، ان کے دل مسلمان ہیں، لیکن، جسم، ــــــــــــ؟ آہ کاش کرنل ناصر کی عقابی نگاہ، سلطان ابن سعود کی نگاہ کرم، اور سید قوتلی کی چشم التفات کبھی ذرا دیر کے لیے اس طرف بھی اٹھ جاتی، لیکن سیاست اور رقابت ان امور پر غور کرنے

کا موقع کب دیتی ہے،

ہاں تو ایک طرف، ۱۹۴۷ء سے، ۱۹۵۷ء تک کا متمدن اور مہذب بھارت ہے، دوسری طرف آج سے چودہ سو برس پہلے کا اسلامی نظام حکومت ہے۔جس کی کہنگی اور فرسودگی پر آج کے مہذب اور متمدن ارباب سیاست استہزا فرماتے ہیں، —— لیکن کیا ان دونوں میں کوئی مناسبت ہے؟ کوئی دُور کی بھی مناسبت ہے؟

داستان کہن

ان اوراق میں یہی داستان بیان کی گئی ہے کہ، یہ کہنہ اور فرسودہ اسلام، یہ دیرینہ اور پارینہ نظام اسلام، اپنے دامن میں، غیروں اور بیگانوں، بلکہ دشمنوں اور مخالفوں تک کے لیے، کتنی گنجائش رکھتا ہے؟ جنگ آج بھی ہوتی ہے، صلح آج بھی کی جاتی ہے، معاہدے آج بھی ہوتے ہیں، لیکن خدارا ہمیں بتایا جائے، کیا اس جنگ میں خون انسانی کی اتنی ہی حرمت ملحوظ رکھی جاتی ہے، جتنی اسلامی جنگوں میں رکھی گئی ہے؟ کیا کوئی صلح اتنی پائیدار، اور کوئی معاہدہ اتنا مستحکم انسانیت کے اس دور فروغ میں نظر آتا ہے، جتنا عہد اسلام میں؟ ان حقائق کو دیکھتے اور جانتے ہوئے بھی، اگر کچھ لوگ اسلام کی رواداری کے خلاف زبان طعن دراز کرتے ہیں، تو اس کی ذمہ داری اسلام پر کیونکر عائد ہو سکتی ہے؟

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟

حضرتِ ابو بکر صدیقؓ کا زمانہ

سب سے پہلے، ہم خلیفۂ اوّل حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد معدلت پر ایک نظر ڈالتے ہیں، اور دیکھتے ہیں کہ آپ نے اپنے زمانۂ خلافت و حکومت میں غیر مسلموں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟ بلکہ مسندِ خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے بھی، اس بارے میں آپ کا رویّہ کیا تھا؟

اسیرانِ جنگِ بدر

اسلام کی تاریخ میں جنگِ بدر کو غیر معمولی حیثیت اور اہمیّت حاصل ہے، اس جنگ میں بے سرو سامانی کے باوجود خدا نے مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا، اور سازو سامان کی فراوانی کے باوجود، کفّار کے حصّہ میں شکست اور ہزیمت آئی۔ اور اس شکست ہزیمت کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ دشمن (کفار) کے بہت سے آدمی، گرفتار کر لیے گئے۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟ وقت کا عام طریق کار یہ تھا کہ جو لوگ میدانِ جنگ میں گرفتار ہوتے تھے،

غلام بنا لیے جاتے تھے، اور غلامی کے بعد ان پر لرزہ خیز اور ہولناک مظالم ڈھائے جاتے تھے، انہیں مارا جاتا تھا، ان سے دن بھر کام لیا جاتا تھا۔ ان کی بے عزتی کی جاتی تھی، ان کے ساتھ ننگِ انسانیت سلوک کیا جاتا تھا، انہیں فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا، غرض شقاوت، اور بہیمیت کا رونگٹے کھڑے کرنے والا برتاؤ ان مجبوروں کے ساتھ روا رکھا جاتا تھا، اور ان غریبوں کو نہ فریاد کی اجازت تھی، نہ آہ و نالہ کی،

کیا اسلام بھی، وقت کی عام سفاکیوں کی پیروی کرتا اور اسیرانِ جنگ بدر کو غلام بنا کر، ان پر طرح طرح کے ستم توڑتا؟ یہ بات اسلام کی سرشت اور مزاج کے خلاف تھی، معاملہ بے حد اہم تھا، رحمۃ للعالمین ؐ نے، یہ مسئلہ صحابہ کرام کے سامنے بغیر حسن و صلاح و مشورہ پیش کیا،

حضرت عمر رضؓ نے رائے دی کہ، ان کو قتل کر دیا جائے، اور حالات کے لحاظ سے عمر فاروق کی یہ رائے مناسب بھی تھی، یہ وہی لوگ تو تھے، جنہوں نے مکہ میں اسلام کی تبلیغ ناممکن بنا دی تھی، جنہوں نے داعی اسلام ؐ کی زندگی اجیرن کر دی تھی، جنہوں نے مسلمانوں کو ترک وطن اور مہاجرت پر مجبور کر دیا تھا، جنہوں نے مدینہ کے یہودیوں سے سازشیں کی تھیں کہ مسلمان امن اور عافیت کی زندگی پردیس میں بھی نہ بسر کرنے پائیں، حضرت عمر کی اس رائے پر اگر عمل کیا جاتا، تو ہرگز کوئی ظلم نہ ہوتا، کسی طرح کی ناانصافی نہ ہوتی، بلکہ عین انصاف ہوتا،

لیکن حضرت ابوبکر رضؓ نے پانسہ پلٹ دیا۔ انہوں نے یہ رائے ظاہر فرمائی کہ اسیرانِ جنگ کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، اپنی رائے کی تائید میں حضرت ابوبکر رضؓ نے جو باتیں فرمائیں، اور ان میں ایک اہم بات یہ تھی کہ

ممکن ہے آگے چل کر یہ لوگ اسلام و مقام قبول کر لیں ،

رحمۃ العالمین ص نے حضرت ابوبکر رض کی رائے قبول فرمالی ، اور ، رب العالمین نے بھی اس قبولیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ، اور بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت ابوبکر کی رائے کتنی صحیح تھی ، یہ واقعہ ہے کہ اسیران جنگ بدر میں سے ، متعدد لوگ اسلام کی حقانیت سے تنگ آکر رضا کارانہ طور پر ، کچھ عرصہ بعد حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے ، اگر یہ لوگ قتل کر دیئے جاتے یا غلام بنا لیے جاتے ، تو بے شک وقت کے رواج اور تعامل کے مطابق یہ کوئی بُری بات نہ ہوتی ، لیکن ان کی آزادی توسیع اسلام میں ممد و معاون ہوئی ، اسلام کی یہ رواداری اور وسعت گوئی دیکھ کر دشمن بھی اسلام کا کلمہ پڑھنے لگے ،

شام کے پادری کا سر

بیہقی نے عقبہ بن عامر سے روایت کی ہے کہ عمرو بن عاص اور شرجیل بن حسنہ نے حریرہ کے ہاتھ بطریق شام کا سر حضرت ابوبکر رض صدیق کے پاس بھیجا جب آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس فعل سے منع کیا ، عقبہ نے عرض کیا یا خلیفۂ رسول اللہ وہ بھی تو ہمارے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں - آپ نے فرمایا کہ عمرو بن عاص اور شرجیل فارس اور روم کی اقتدا کرتے ہیں کسی کا سر نہ کاٹ کر روانہ کیا جائے ہمیں اقتدا کے لیے قرآن اور حدیث کافی ہیں ۔(۱)

مسلمانوں کی ہجو کی سزا ذمی کو نہیں ملے گی

اگر کوئی ذمی ، ـــــ وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کی پناہ میں ہو ـــــ

(۱) تاریخ الخلفاء (سیوطی) صـ۹۶

— مسلمانوں کی من حیث القوم ہجو کرے، ان کی برائیاں بیان کرے ان کے خلاف، توہین آمیز اور اشتعال انگیز گیت گائے - تو اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ ——— سنیئے :

کچھ آدمی مہاجر بن امیہ حاکم یمامہ کے پاس دو عورتوں کو جن میں سے ایک رسول اللہ صلعم کی شان مبارک کے خلاف اور دوسری مسلمانوں کے خلاف ہجو آمیز گیت گایا کرتی تھی - پکڑ لائے حاکم یمامہ نے دونوں کو یہ سزا دی کہ ان کے ہاتھ کٹوا دیئے اور دانت نکلوا ڈالے، حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے ان کو لکھا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم نے دو عورتوں کو ایسی سزا دی ہے اگر تم نے ان کے سزا دینے میں جلدی نہ کی ہوتی تو میں اس عورت کے متعلق کہ جس نے حضور اکرم صلعم کی شان مبارک میں گستاخی کی ہے قتل کی سزا تجویز کرتا - کیونکہ انبیاء علیہ اسلام کی شان سب سے اعلیٰ ارفع ہے - خصوصاً اگر ایسی گستاخی کسی مسلمان سے سرزد ہو تو وہ مرتد ہے یا غدار محارب اور اس عورت کے متعلق جو مسلمانوں کی ہجو کرتی تھی، اگر وہ اسلام کا دعوےٰ کرتی ہے تو اس کی تادیب کرنا اور اسے شرم دلانا چاہیئے تھا - ہاتھ پیر نہ کاٹنا چاہیئے تھے، اور اگر ذمیہ ہے تو یہ شرک سے زیادہ برا فعل نہ تھا - جب اس کے شرک پر صبر کیا جاتا ہے اس فعل پر بھی کرنا چاہیئے تھا ہاتھ پیر سوائے قصاص کے کٹوا دینے کو میں مکروہ سمجھتا ہوں کیونکہ ایسی سزا پانے والے کو ہمیشہ شرم دامنگیر رہتی ہے،[1]

[1] تاریخ الخلفاء (سیوطی) صـ۹۷

اس واقعہ کی آخری سطروں پر غور کیجئے۔ حضرت ابوبکر فرماتے ہیں، مسلمان قوم کی ہجو، شرک سے برا فعل نہیں ہے، جب اسے گوارا کرتے ہوئے ایک کافر کو ہم نے اپنے ذمہ میں لے لیا، تو پھر کمتر جرم پر سنگین سزا کیونکر دی جا سکتی ہے، یہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ کہ ہر حالت میں خواہ معاملہ دشمن ہی کیوں نہ ہو، حضرت ابوبکر انسانیت کے پہلو کو کتنا عزیز رکھتے تھے؟ فرماتے ہیں، اس طرح کی سزا ہیں، جن لوگوں کو ملتی ہیں، وہ ہمیشہ دوسروں سے آنکھ ملاتے ہوئے شرماتے ہیں، سزا کا مقصد اصلاح ہے نہ کہ رسوائی، اور تضحیک

کیا یہ باریکیاں ان لوگوں نے بھی کبھی پیش نظر رکھیں، جنہوں نے مسلمانوں پر غلبہ پایا؟ ــــ واقعات وحقائق کا جواب انکار میں ہے۔

جیش اسامہؓ

مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد، سب سے پہلا کام جو حضرت ابوبکرؓ نے کیا وہ جیش اسامہ رضؓ کی روانگی تھی، یہ وہ لشکر تھا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب فرمایا تھا، اور کفار کی سرکوبی کے لیے روانگی کا حکم دیا تھا، لیکن قبل اس کے کہ یہ لشکر کوچ کرے آپ کی وفات ہوگئی، حالات بہت نامساعد تھے۔ لیکن ابوبکر صدیق کی عزیمت نے اس لشکر کی روانگی میں تاخیر نہ روا رکھی، اور روانگی کا حکم صادر کر دیا۔ اور

خود پیادہ اس کی مشایعت کی اسامہ اونٹ پر سوار تھے اور عبدالرحمان بن عوف ابوبکر کے گھوڑے کو آگے سے لگام پکڑ کر لا رہے تھے، اسامہ نے کہا یا خلیفہ رسول اللہ یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں ورنہ میں اتر جاتا ہوں، ابوبکر نے کہا یہ دونوں باتیں نہیں ہو سکتیں، نہ تم اتر سکتے ہو اور نہ میں سوار ہوں گا میں اس وقت اس لیے

پیدل چل رہا ہوں تاکہ اللہ کی راہ میں کچھ دیر تک پیدل چلکر اپنے قدم خاک آلود کر لوں کیونکہ مجاہد کے ہر قدم کے عوض میں سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں سات سو درجے بڑھائے جاتے ہیں اور اس کی سات سو خطائیں معاف کی جاتی ہیں۔

دس نصیحتیں

یہ لشکر ایک بڑی مہم پر جا رہا تھا، یہ اسلام کی فوج تھی، جو غیر مسلموں کی زیادتی، ظلم اور عدوان کا انتقام لینے جا رہی تھی، تلوار جب میان سے نکلتی ہے، تو کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتی ——— لیکن اسلام کی تلوار اندھا دھند کبھی نہیں چلتی، چلتے چلتے حضرت ابوبکر رکے اور فرمایا:۔

ذرا ٹھہر جاؤ ——— میں دس باتوں کی تم کو نصیحت کرتا ہوں۔ ان کو اچھی طرح یاد رکھو۔

(۱) خیانت نہ کرنا،

(۲) نفاق نہ برتنا۔

(۳) بدعہدی نہ کرنا،

(۴) مثلہ نہ کرنا، (اعضائے جسم کو قطع نہ کرنا)

(۵) کبھی چھوٹے بچے کو پیر مرد کو اور عورت کو قتل نہ کرنا،

(۶) کسی کھجور کے درخت کو نہ کاٹنا اور نہ جلانا،

(۷) اور کسی ثمر دار درخت کو قطع نہ کرنا سوائے کھانے کی ضرورت کے

(۸) بیکار کسی بکری گائے اور اونٹ کو ذبح نہ کرنا،

(۹) تم کو ایسے لوگ بھی ملیں گے جو ترک دنیا کرکے خانقاہوں میں بیٹھ گئے ہیں، اُن سے کوئی تعارض نہ کرنا،

(۱۰) بعض لوگ تمہارے لیے کھانے کے خوان لائیں گے اگر تم اس میں سے

کچھ کھانا چاہو تو اللہ کا نام لیکر کھاؤ،

جنگ میں دشمن کا خون پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ لیکن اسلام کی جنگ میں خیانت سے روکا جاتا ہے، نفاق سے دُور رہنے کی ہدایت کی جاتی ہے، بدعہدی سے منع کیا جاتا ہے مثلہ کی ممانعت کی جاتی ہے۔ دشمن کے بچوں، بوڑھوں، اور عورتوں کے قتل سے باز رہنے کا حکم دیا جاتا ہے، درختوں کے کاٹنے اور جلانے، دشمن کے جانوروں کو پکڑنے اور ذبح کرنے سے روکا جاتا ہے، اور ترک دنیا کر کے خانقاہوں میں بیٹھنے والے (عیسائی پادری، راہب وغیرہ) لوگوں سے تعارض کرنے کی ممانعت فرمائی جاتی ہے۔

کیا اس جنگ کو بھی مقدس نہیں کہا جا سکتا؟ کیا ایسی جنگ میں بھی، کسی پر زیادتی ممکن ہے؟ کیا دُنیا میں اسلام کے سوا کسی اور نے بھی ایسی لڑائیاں لڑی ہیں؟

جنگ ارتداد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد، جب حضرت ابو بکرؓ جلوہ آرائے مسند خلافت ہوئے، تو اس منصب پر فائز ہوتے ہی، آپ کو ایک نہایت سنگین اور خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑا، اس کا اگر بر وقت تدارک آپ نے نہ کیا ہوتا تو اسلام کا ماننے والا ایک فرد بھی اس کرۂ ارض پر باقی نہ رہتا، جیسے ہی آں حضرتؐ نے اس دُنیا سے پردہ فرمایا، قبائل کی بہت بڑی تعداد مرتد ہو گئی، اور یہ ارتداد، صرف ارتداد نہ تھا، اپنے ساتھ بغاوت کی شورش بھی لایا، درحقیقت یہ ارتداد دین سے نہیں حکومت سے تھا، کسی عقیدہ کی تبدیلی نہ تھی، حکومت کا تختہ الٹ دینے کی سازش تھی،

طبری کی روایت ہے،

تھوڑی ہی مدت میں بلا استثناء رسول اللہ صلعم کے مقرر کردہ تمام اُمرا نے اپنے مستقر سے یہ اطلاع دی کہ ہر جگہ فتنہ ارتداد برپا ہو گیا ہے کوئی قبیلہ ایسا نہیں جو کہ کل یا اس کے کچھ لوگ مرتد ہو کر باغی نہ ہو گئے ہوں اور مسلمانوں پر ہر طرح کی مصیبت اور پریشانی چھائی ہوئی ہے،

اگر یہ ارتداد صرف دین سے ہوتا، یعنی، کسی شخص نے، یا کچھ لوگوں نے یا ایک بہت بڑی جماعت نے اپنا عقیدہ تبدیل کر لیا ہوتا، اسلام کے بجائے، کسی اور مذہب کو اپنا لیا ہوتا، تو ان کے ساتھ سختی اور تشدد کی ضرورت نہیں تھی، اس لیے کہ دین کے معاملہ میں اسلام کسی طرح کا جبر و جور روا نہیں رکھتا۔ جیسا کہ اس کتاب کے پہلے حصہ میں، ہم تفصیل سے بتا چکے ہیں، وہ واضح طور پر کہتا ہے۔

لا اکراہ فی الدین — دین کے معاملہ میں کسی طرح کا جبر و عید جائز نہیں ہے،

اسی کا ارشاد یہ بھی ہے،

لکم دینکم ولی دین — تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین،

متعدد قرآنی آیات ہیں، اسلام نہ قبول کرنے والوں، یا اسلام قبول کر کے ارتداد اختیار کرنے والوں کا ذکر ہے لیکن سارے قرآن میں کہیں بھی انہیں قتل کر دینے، یا ہدف تعزیر بنانے کا ذکر نہیں ہے، پھر بھلا حضرت ابوبکر صدیق جیسا جانشین رسولؐ کیونکر یہ کر سکتا تھا کہ روح اسلام کے منافی

کوئی قدم اُٹھاتا ؟ بات یہی تھی کہ ارتداد کی آڑ میں بغاوت کی جا رہی تھی، مسلمانوں کو ختم کر دینے کے منصوبے بنائے جا رہے تھے، دین اسلام کو مٹا دینے کی سازش کی جا رہی تھی، ظاہر ہے کوئی حکومت بھی، شورش بدامنی، اور بغاوت پر خاموش نہیں رہ سکتی سوائے دبانے اور کچلنے پر مجبور ہے،

نازک گھڑی

یہ بڑا نازک وقت تھا، آں حضرت ؐ کے وصال نے، مسلمانوں کی نگاہ میں دنیا تیرہ و تار کر دی تھی، جیش اسامہ کی روانگی نے ان کی فوجی حیثیت اندرون خانہ کمزور کر دی تھی، وسائل و ذرائع پہلے ہی نہ ہونے کے برابر تھے، اب اور زیادہ مفقود نظر آ رہے تھے، ان حالات میں قبائل عرب کی ایک بہت بڑی تعداد نے ارتداد اختیار کیا، بغاوت اور شورش اختیار کی، اور مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں، اور یہ ارتداد بھی کیسا عجیب تھا، یعنی صرف یہ نہیں تھا کہ ہم اسلام ترک کرتے ہیں، یہ تھا کہ زکوٰۃ نہیں دیں گے، گویا صرف ارتداد ہی نہیں، بغاوت اور شورش ہی نہیں، فساد انگیزی بھی، فتنہ آرائی بھی، مسلمانوں کے اندر تفرقہ پیدا کرنے کی سعی نا روا بھی، ارتداد بھی، اور اسلام کا دعویٰ بھی،

یہ بڑی نازک گھڑی تھی، اس موقع پر اگر ذرا بھی نرمی کا اظہار کیا جاتا، تو مسلمان ہی ختم تھے، اسلامی حکومت بھی، اور اسلام بھی، لیکن آں حضرت ؐ کا وہ رفیق بدرو تدبر اپنی عزمیت سے اس مرحلہ کو جیت لے گیا، اس نے ظاہری بے سرو سامانی کے باوجود اعلان جہاد کیا، اور ارتداد کا لبادہ اوڑھنے والے باغیوں کی کمر توڑ دی، جمیعت منتشر کر دی، اور

اسلام کا دبدبہ پھر قائم کر دیا۔

مسلمانوں کی مظلومیت

ارتداد کے وقت صورتِ حال کیا تھی؟ اسے ہم طبری کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں:۔

ان قبائل نے اپنے وفد مدینے بھیجے تھے یہ مدینے آکر عمائد مدینہ کے یہاں فروکش ہوئے عباس رضؓ کے علاوہ اور سب نے ان کو اپنے یہاں مہمان بنا لیا اور ان کو ابو بکر رضؓ کی خدمت میں لے آئے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ نماز تو پڑھتے رہیں مگر زکواۃ نہ دیں، اللہ نے ابو بکر رضؓ کو حق پر راسخ کر دیا انہوں نے کہا کہ اگر یہ زکواۃ کی اونٹ باندھنے کی رسی بھی نہ دیں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا، اس وقت (زکواۃ کے جانوروں کی رسیاں بھی زکواۃ ادا کرنے والوں پر عائد تھیں،) ابو بکر رضؓ نے ان کی بات نہ مانی، مدینے کے قریب والے مرتدین کا وفد اُن کے پاس سے واپس آگیا اور اُنھوں نے اپنے قبائل سے کہا کہ اس وقت مدینے میں بہت کم آدمی ہیں حملہ کرنے کا اچھا موقع ہے۔ ابو بکر رضؓ بھی غافل نہ تھے انھوں نے اس وفد کے اخراج کے بعد مدینے کے تمام ناکوں پر باقاعدہ پہرے متعین کر دیئے علیؓ زبیرؓ طلحہ اور عبداللہ بن مسعود اس کام پر مقرر کئے گئے، اس کے علاوہ ابو بکر رضؓ نے تمام اہلِ مدینہ کو حکم دیا کہ وہ مسجد میں جمع ہوں، اور پھر اُن سے کہا کہ تمام ملک کافر ہو گیا ہے اور وہ تمہاری قلت تعداد کو دیکھ گئے

ہیں وہ ضرور دن یا رات میں تم پر حملہ آور ہوں گے، دشمن کی سب سے قریب جماعت یہاں سے صرف ایک ڈاک کی منزل پر ہے، وہ چاہتے تھے کہ ہم ان کے شرائط قبول کرکے ان سے سمجھوتہ کرلیں مگر ہم نے ان کی بات نہ مانی اور اُن کے شرائط مسترد کر دیئے لہٰذا اب مقابلے کے لیے بالکل تیار ہو جاؤ،

اور یہ واقعہ ہے کہ:

"ابوبکر رضؓ کی اس تقریر کے بعد صرف تین راتیں گذری تھیں کہ مرتدین نے رات ہوتے ہی مدینہ پر دھاوا کر دیا۔! —

——— ! "[۱]

حضرت ابوبکر رضؓ سمجھ رہے تھے کہ کیا ہونے والا ہے۔ لہٰذا انہوں نے اسباب و وسائل کی نایابی کے باوجود۔ دفاع اور پھر ہجوم کی تیاری کرلی، نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ پر حملہ کرنے والے مشرکین بُری طرح ہارے، لیکن مضافات اور مقامات بعید میں، جو مسلمان موجود تھے، وہ مرتدین کی دست برد سے کیونکر بچ سکتے تھے، چنانچہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مشرکین نے ان مسلمانوں کو ستانا شروع کر دیا، بلکہ اپنی قوت و طاقت، اور مسلمانوں کی درماندگی، اور پریشانی کا اندازہ کرنے کے بعد،

"انہوں نے ظلم پر کمر باندھی بنی ذبیان اور بنی عبس نے اپنے یہاں کے مسلمانوں پر اچانک حملہ کرکے ان کو نہایت بے دردی سے، طرح طرح کے عذاب دے کر شہید کر ڈالا، (پھر)

---

[۱] طبری، ج ۱، ۲، ۴ھ صـ ۳۴

ان کی تقلید میں دوسرے قبائل نے بھی مسلمانوں کے ساتھ یہی (سلوک) کیا۔!"

کیا ان مرتدین کے ساتھ رفق اور نرمی کا برتاؤ کیا جا سکتا تھا؟ کیا ان کے ساتھ رعایت کرنے کے معنی، خودکشی کے نہ تھے؟ اور کیا مرتدین، ایسے ہی ہوتے ہیں؟ کیا کسی عقیدہ یا دین سے برگشتہ ہو جانے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ تلوار باندھ کر میدان میں آئیں۔ اور خون کے دریا بہادیں؛ مجبوروں، اور نہتوں کو قتل کریں، شہروں اور آبادیوں پر حملہ کریں، اگر ارتداد اس کا نام ہے تو پھر بغاوت کو کیا کہیں گے؟ ——— نہیں یہ مرتد نہیں باغی تھے،

اتمام حجت

ان لوگوں کی سرکوبی، اخلاقی، سیاسی، جنگی، قومی، ملکی، ہر نقطۂ نظر سے ضروری تھی۔ چنانچہ، وہ کی گئی، لیکن اندھا دھند نہیں، حدود سے تجاوز کر کے نہیں، انصاف و عدل، اور انسانیت کے اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر نہیں، حضرت ابوبکرؓ نے ان مرتد یعنی باغی قبائل کی سرکوبی کے لیے متعدد اطراف میں جیوش روانہ کیے، لیکن اقدام و ہجوم سے، پہلے اتمام حجت بھی کر لیا، چنانچہ آپ نے تمام مرتدین کو ایک پیام بھی خط کی صورت میں بھیجا، جو حسب ذیل ہے،:

"بسم اللہ الرحمان الرحیم - یہ خط ابوبکرؓ خلیفہ رسول اللہ کی جانب سے اُن تمام اور خاص لوگوں کے نام ہے جن کو یہ موصول ہو چاہے وہ اسلام پر قائم ہوں، یا اس سے مرتد

ہو گئے ہوں، سلامتی ہو اُن پر جنہوں نے راہِ راست کی اتباع
کی اور ہدایت کے بعد ضلالت اور گمراہی اختیار نہیں، میں
تمہارے سامنے اس معبودِ حقیقی کی جس کے سوا کوئی دوسرا معبود
نہیں ہے تعریف کرتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ اللہ واحدلا
شریک ہے اور محمدؐ اُس کے بندے اور رسُول ہیں اللہ کا جو
پیام وہ ہمارے لیے لائے ہم اس کا اقرار کرتے ہیں اور جو اس
سے انکار کرے ہم اسے کافر سمجھتے ہیں اس سے جہاد کریں گے۔
اللہ تعالےٰ نے محمدؐ کو واقعی اپنی جانب سے اپنی مخلوق کے لیے
بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی جانب اس کے
حکم سے دعوت دینے والا اور ایک شمع روشن بناکر مبعوث
فرمایا، تاکہ وہ جو زندہ ہوں ان کو اللہ کا خوف دلائیں۔ اور
اس طرح منکرین کے برخلاف بات پکی ہو جائے۔ جس نے اس
کی بات مانی اللہ نے اسے راہِ راست بتا دی اور جس نے اُن
سے انکار کیا رسول اللہ نے اللہ کے حکم سے اُسے اچھی طرح
سزا دی یہاں تک کہ وہ خوشی سے یا با دلِ ناخواستہ اسلام لے
آیا، پھر اللہ نے اپنے رسولؐ کو اپنے پاس بلا لیا مگر وہ اللہ
کے حکم کو پوری طرح سے نافذ کر چکے تھے، اور اس کی امت کے
ساتھ مخلصانہ خیر خواہی کر چکے تھے، اللہ نے ان کی موت کی صاف
اطلاع خود رسول اللہ اور تمام مسلمانوں کو اپنی کتاب میں جسے
اُس نے نازل فرمایا ہے پہلے سے دے دی تھی اسی کے متعلق
وہ فرماتا ہے۔ انک میت وانھم میتون (بے شک تم مرنے والے

ہو، اور وہ سب بھی مرنے والے ہیں، پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے
وما جعلنا بشر من قبلک الخلد افان مت فھم الخلدون
(ہم نے تم سے پہلے کسی انسان کو بقائے دوام نہیں دی تو کیا اگر
تم مر گئے تو وہ ہمیشہ جیتے رہیں گے؟) پھر اللہ تعالےٰ مسلمانوں سے
فرماتا ہے - وَمَا مُحَمَّدٌ الا رسول قد خلت من قبله الرسل
افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی
عقبیه فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین
(محمدؐ بھی ایک رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گذر
چکے ہیں کیا اگر وہ مر جائیں یا مارے جائیں تم اپنے پچھلے پیروں
پلٹ جاؤ گے اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کو ہرگز کوئی ضرر نہیں
پہنچا سکتا اور اللہ ضرور اپنے شکر گذار بندوں کو جزائے خیر
دے گا) اس لیے جو لوگ محمدؐ کی عبادت کرتے تھے اُن کو آگاہ
ہو جانا چاہیئے کہ محمدؐ مر گئے اور جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت
کرتے تھے، ان کو اطمینان رکھنا چاہیئے کہ اللہ ان کا نگران ہے
وہ زندہٗ جاوید ہے نہ اُسے موت ہے نہ اُسے نیند اور
اونگ آتی ہے، وہ اپنی بات کا محافظ ہے اپنے دشمن
سے پورا پورا انتقام لینے والا ہے، میں تم کو نصیحت کرتا ہوں
کہ تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اس طرح اپنا حصّہ اور نصیبہ اس
سے حاصل کر سکو اور تمہارے نبی جو اللہ کا پیام تمہارے پاس
لائے ہیں اس سے بہرہ ور ہو سکو اور اللہ کی ہدایت پر گامزن
رہو اللہ کے دین پر مضبوطی سے قائم رہو جسے اللہ ہدایت نہ

دے وہ گمراہ ہے اور جسے اللہ معاف نہ کرے وہ سخت مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے، جس کی اعانت اللہ نہ کرے وہ ذلیل اور ناکام رہ جاتا ہے، جس کی ہدایت اللہ نے کی وہ واقعی راہ راست پر گامزن ہوا اور جسے اللہ نے گمراہ کر دیا وہ بالکل گمراہ ہوا اللہ تعالےٰ فرماتا ہے من یھد اللہ فھو المھتدی ومن یضلل فلن تجد لہ ولیا مرشدا (جسے اللہ نے ہدایت دی وہ واقعی کامیاب ہوا اور جسے اللہ نے گمراہ کر دیا تو اس کے بعد ہرگز اُسے کوئی صحیح اور خیر خواہ رہبر نہیں مل سکتا، اور جب تک کوئی اس دین الٰہی کا اقرار نہ کرے اور نہ دنیا میں اس کا کوئی عمل مقبول ہوگا اور نہ آخرت میں کوئی بدلہ یا معاوضہ قبول کیا جائے گا مجھے معلوم ہوا ہے کہ بہت سے لوگ اسلام لانے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد اس سے مرتد ہو گئے ہیں، ان کو یہ جسارت اس لیے ہوئی کہ انہوں نے اللہ کے متعلق غلط اندازہ قائم کیا ہے اور اس کے طریقۂ کار سے وہ واقف نہیں اور اُنہوں نے شیطان کے اغوا کو قبول کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس کان من الجن ففسق عن امر ربہ افتتخذونہ وذریتہ اولیاء من دونی وھم لکم عدو بئس للظالمین بدلا (اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو اُنہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جو جن تھا اس لیے اس نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی تو اب کیا تم اُسے اور اُس کی جماعت کو میرے

سوا اپنا مالک بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں راہ راست سے ہٹنے والوں کو یہ بہت برا معاوضہ ملا) اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے، ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا انما یدعوا حزبہ لیکونوا من اصحاب السعیر

(بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اُسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔ اس کی جماعت تم کو اس لیے اغوا کرتی ہے کہ تم دوزخ میں جاؤ) میں نے فلاں شخص کو مہاجرین انصار اور پہلے تابعین کی جمعیت کے ساتھ تمہارے پاس بھیجا ہے اور ان کو حکم دیا ہے کہ تاوقتیکہ وہ اللہ کا پیام تم تک نہ پہنچا دیں نہ کسی سے جنگ کریں اور نہ کسی کو قتل کریں لہٰذا جو اس دعوت کو قبول کرکے اُس کا اقرار کرلے اپنے موجودہ طرز عمل سے باز آجائے اور عمل صالح کرنے لگے اس کے اقرار اور عمل کو قبول کرکے اسپر بقا اور قیام کے لیے اس شخص کی اعانت کی جائے، [1]

مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ پیام پہلے بھیجا گیا۔ فوجیں بعد میں روانہ کی گئیں،

بدترین اور خون کے پیاسے دشمن کے ساتھ، یہ برتاؤ صرف اسلام ہی کا ہوسکتا ہے،

امرائے عساکر کے نام فرمان

اس پیام کی ناکامی کے بعد، جب اسلامی جیوش و عساکر، ان باغیوں

---

[1] طبری ج ۴ ص ۳۴

کا قلع قمع کرنے کے لیے روانہ کئے گئے، تو بارگاہِ خلافت سے، ان لشکروں کے امیروں اور سرداروں کے نام حسبِ ذیل فرمان شرفِ صدور لایا:

یہ فرمان ابوبکرؓ خلیفۂ رسول اللہ کی طرف سے فلاں شخص کے لیے لکھا گیا ہے جب انہوں نے اُسے مسلمانوں کی فوج کے ساتھ مرتدین سے لڑنے کے لیے روانہ کیا، ہم نے ان امرا کو اس شرط پر یہ منصب دیا ہے کہ وہ دل میں اور علانیہ جہاں تک ہو سکے گا اللہ کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہیں گے اور مرتدین کے مقابلے میں خلوص نیت کے ساتھ پوری سعی کریں گے اور اُن سے اللہ کے لیے لڑیں گے ہاں مگر اس سے پہلے وہ ان کو اپنی اصلاح کا موقع دیں گے اور اسلام کی دعوت دیں گے تاکہ اگر وہ اُسے قبول کر لیں ان سے کوئی تعارض نہ کیا جائے اور اگر انکار کریں تو فوراً اُن پر یورش کر دی جائے یہاں تک کہ وہ پھر اسلام لے آئیں تب ان کو ان کے حقوق اور فرائض بتائے جائیں جو اُن پر واجب الادا ہو وہ وصول کیا جائے اور جس کے وہ مستحق ہوں وہ ان کو دیا جائے اس معاملے میں ان کو ہرگز مہلت نہ دی جائے، اور جب تک یہ اغراض حاصل نہ ہو جائیں مسلمانوں کو جہاد سے واپس نہ لایا جائے جو شخص اللہ عزوجل کی بات کو تسلیم کرکے اس کا اقرار کرلے اس کے ایمان کو قبول کرکے نیک کے ساتھ دین پر قیام کے لیے اس کی مدد کی جائے، ان لوگوں سے بھی جہاد

کیا جائے جو ایک طرف اللہ کے دین کا اقرار کرتے ہیں اور پھر اللہ کے حکم سے انکار کرتے ہیں البتہ اگر وہ ہماری دعوت کو قبول کرلیں تو اُن سے کوئی تعارض نہ کیا جائے ایسی صورت میں اللہ تعالےٰ آخرت میں اُن سے حساب لے لے گا اگر انہوں نے نفاق سے کام لیا ہوگا البتہ جو اعلانیہ طور پر اللہ کی دعوت کو رد کردے اُسے جہاں اور جس طرح ہو سکے ذلت سے قتل کر دیا جائے اور اسلام لانے کے سوا کوئی دوسری شرط اس کی قبول نہ کی جائے جو اسلام کا اقرار کرلے اُسے مسلمان سمجھا جائے اور اسی طرح سلوک کیا جائے۔ (۱)

اس فرمان کی روح یہ جملہ ہے:-

" اگر وہ (مرتدین) ہماری دعوت قبول کرلیں، تو ان سے کوئی تعارض نہ کیا جائے، ایسی صورت میں اللہ تعالےٰ آخرت میں ان سے حساب لے لے گا، اگر اُنہوں نے نفاق سے کام لیا ہوگا۔
——————— "

یعنی، لشکر کے امرا کو ہدایت فرمائی گئی، اگر کسی شخص کے اسلام پر تمہیں نفاق کا شبہ ہو، تو بھی اس سے تعارض نہ کرو، اس کے دعوائے اسلام کو تسلیم کرو، اگر اس نے نفاق سے کام لیا ہے، تو خدا اس سے سمجھ لے گا۔ تم اس کی ٹٹول نہ کرو، تمہارا کام، ظاہر کو دیکھنا، اور الفاظ پر فیصلہ کرنا ہے۔ عالم السرار صرف خدا ہے، نیت کا کھوٹ، اور دل کا فریب، وُہی جانتا ہے، وہی جان سکتا ہے، اس کی پوچھ گچھ اور عتاب و تعزیر اس کے ذمہ

---

(۱) طبری ج ۱ ح ۴ ص ۱۴۱

رہنے دو، یہ ارشاد آج بھی ہمارے کفر ساز علماء کے لیے، ایک درس حقیقت ہے،

چشم ندامت

حضرت ابو بکر رضؓ کا تو یہ عالم تھا کہ وہ مجرم کی چشم ندامت دیکھ کر عفو و درگزر سے کام لیتے تھے، وہ جھکی ہوئی نظریں دیکھ کر توبہ قبول کر لیتے تھے معاف کر دیتے تھے، اس پر اصرار نہیں کرتے تھے کہ باقاعدہ توبہ نامہ دیا جائے، اور عفو جرائم کی درخواست کی جائے،

آں حضرت کی وفات کے بعد، عمرو بن العاص، عمان سے مدینہ آتے ہوئے، قرہ بن ہبیرہ کے پاس مہمان کے طور پر ٹھہرے، قرہ نے عمرو بن العاص کی ایسی شاندار دعوت کی کہ میزبانی کا حق ادا کر دیا، جب وہ روانہ ہونے لگے تو قرہ نے ان سے کہا،

"عرب یہ بات بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ تمہیں بطور لگان (زکوٰۃ) دیں، البتہ اگر یہ رقمی مطالبہ معاف کر دیا جائے تو وہ تمہاری بات گوش ہوش سے سنیں گے بھی، اور مانیں گے بھی، اور اگر تم یہ نہیں کر سکتے تو پھر ان کو اطاعت و انقیاد سے ہاتھ دھو لو،!"

اس اثنا میں خالد بن ولید، مرتدین (یعنی باغیوں)، سے جنگ کرنے کے لیے نکلے، انہوں نے ۲ اہم مجرم، سرداروں، قرہ بن ہبیرہ اور عیینہ بن حسن کو گرفتار کر کے حضرت ابو بکر رضؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا، دربار خلافت میں پہنچنے کے بعد، :-

قرہ نے کہا اے خلیفہ رسول اللہ میں مسلمان ہوں عمرو بن العاص میرے

اسلام کے شاہد ہیں، وہ جب میرے پاس اثنائے سفر میں آئے میں نے ان کو اپنا مہمان بنایا ان کی تعظیم و تکریم کی اور ان کی حفاظت کی، ابوبکرؓ نے عمرو بن العاص کو بلا کر اس کی تصدیق چاہی عمرو نے تمام واقعہ بیان کیا اور جو کچھ قرہ نے کہا تھا وہ کہا بیان کرتے کرتے جب وہ زکوٰۃ کے متعلق اس کی گفتگو کو بیان کرنے لگے قرہ نے کہا اب بس کیجیئے آگے بیان نہ کیجیئے آپ پر اللہ کی رحمت ہو عمرو نے کہا یہ نہیں ہو سکتا میں پوری بات ابوبکرؓ سے بیان کروں گا چنانچہ انہوں نے تمام گفتگو بیان کر دی ابوبکرؓ نے اسے معاف کر کے اس کی جان بخشی کر دی (۱)

حضرت ابوبکرؓ کا یہ اقدام صرف اس بات پر مبنی تھا کہ انہوں نے قرہ کی ندامت محسوس کر لی تھی، جب وہ عمرو بن العاص کو زکوٰۃ والی بات بتانے سے منع کر رہا تھا، تو گویا، وہ اپنی غلطی پر ندامت کا اظہار کر رہا تھا

مجرم کے ساتھ رعایت

عیینہ بن حصن قرہ سے بھی زیادہ مجرم تھا۔ اس نے قرہ کی طرح، اظہار ندامت بھی نہیں کیا، بلکہ اپنی دریدہ دہنی اور گستاخی پر قائم رہا:—

عیینہ بن حصن اس حالت میں کہ اس کے دونوں ہاتھ رسی سے اس کی گردن پر بندھے تھے مدینے آیا، مدینے کے لڑکے کھجور کی شاخوں سے اُسے کونچتے تھے اور کہتے تھے اے اللہ کے دشمن ایمان لانے کے بعد تو کافر ہو گیا اس نے جواب دیا کہ میں آج تک اللہ پر ایمان ہی نہیں لایا تھا، ابوبکرؓ نے اُسے

---

(۱) طبری، ج ۱ ح ۴ ص ۱۵

بھی معاف کر کے اس کی جان بخشی کر دی، (۱)

ملاحظہ فرمایئے، ایک شخص ہے جو بجرم ارتداد ماخوذ ہے، اس کی تشہیر ہو رہی ہے، اور اس حالت میں بھی وہ کہہ رہا ہے،

"میں آج تک اللہ پر ایمان ہی نہیں لایا، ———— !"

مگر حضرت ابوبکرؓ یہ دیکھ کر کہ اب سانپ کے دانت ٹوٹ چکے ہیں باغی کا زور ختم ہو چکا ہے، اس کی جان بخشی کر دیتے ہیں، اور پروانۂ معافی صادر کر دیتے ہیں، کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ لڑائی انہی لوگوں سے کی گئی، جو صرف مرتد ہی نہیں، باغی بھی تھے، لیکن جن کا باغیانہ دم خم ختم ہو گیا انہیں معاف کر دیا گیا!؛

تجدید عہد

نجران کے عیسائیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاہدہ فرمایا تھا، اور انہیں ذمی کی حیثیت سے وہ تمام سہولتیں دی تھیں جو ایک باعزت باشندۂ ریاست کو حاصل ہوتی ہیں، آں حضرتؐ کی وفات کے بعد، اہل نجران کا ایک وفد، حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے بے تامل تجدید عہد کا فرمان صادر کر دیا، اس فرمان کی عبارت یہ تھی؛

> "یہ فرمان اللہ کے غلام ابوبکرؓ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اہل نجران کے لیے لکھا جاتا ہے، میں نے ان کو (اہل نجران کو) اپنی اور اپنی فوج کی طرف سے پناہ دی اور جو فرمان معافی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیا تھا، میں بھی اسے تسلیم کرتا، اور اس کی توثیق کرتا ہوں"!

لے طبری، ج اح ۴ صہ۱۵

آگے چل کر اسی فرمان میں ارشاد فرمایا، !

"ان کی جان، مذہب، املاک، حاشیہ، متعلقین چاہے وہ اس وقت نجران میں ہوں یا باہر ہوں، اس کے پادری، راہب اور گرجا جہاں وہ بنے ہوئے ہیں اور تھوڑی یا زیادہ جس قدر ان کی املاک ہیں ان سب کو ان کے حق میں رہنے دیتے ہیں بشرطیکہ جو سرکاری لگان مقرر ہے وہ ادا ہوتا رہے، اور جب وہ اپنے واجبات پورے کر دیں تو پھر ان کو خارج البلد کیا جائے، نہ ان سے عشر لیا جائے نہ کسی پادری کو اس کے حلقے سے بدلا جائے اور کسی راہب کو اس کی خانقاہ سے نکالا جائے جو کچھ اس تحریر میں لکھا گیا ہے اس کے ایفاء کی محمد رسول اللہ صلعم کی ضمانت اور تمام مسلمانوں کی نگہبانی کی ضمانت دی جاتی ہے اس کے ساتھ اہل نجران کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے خیر خواہ اور وفادار رہیں۔"

ابن عمرو اور عمرو مولیٰ ابو بکر رضہ نے اس تحریر پر اپنی شہادت ثبت کی، ۱۱۱

کیا یہ ضمانت آج بھی کوئی ترقی یافتہ قوم، کسی محکوم قوم کو دے سکتی ہے ؟

حاکم پر عتاب

ایک ذمیہ عورت کا واقعہ، گذشتہ صفحات میں سیوطی کی تاریخ الخلفاء کے حوالہ سے ہم درج کر چکے ہیں، ذیل میں وہ واقعہ دوبارہ اس لیے درج

ا۔ طبری، ج ا ح ۳، ص۱۱۶

کرتے ہیں کہ مسئلہ کے بعض نئے پہلو نظر کے سامنے آتے ہیں، ملاحظہ ہو طبری کی روایت!

جس عورت نے مسلمانوں کی ہجو میں اشعار گائے تھے، اس کے متعلق امیرالمومنین نے مہاجر کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے اس کو ہاتھ کاٹنے اور دانت توڑنے کی سزا دی ہے اگر وہ عورت مدعی اسلام تھی اس کو تادیب اور تنبیہ کرنا کافی تھا نہ کہ اس کے اعضا کاٹنا اور اگر ذمی تھی تو بخدا اس کے جس جرم سے تم نے اب تک در گذر کیا وہ اس سے کہیں زیادہ بڑا تھا۔ اگر میں اس قسم کی باتوں پر تمہاری گرفت کروں تو ممکن ہے کوئی ناگوار صورت پیش آجائے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ایسا طرزِ عمل اختیار کرو جس میں امن رہے کبھی کسی کو قطع اعضا کی سزا نہ دو کیونکہ یہ گناہ ہے اور اس سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے، البتہ قصاص کی صورت میں اور بات ہے۔"[1]

حضرت ابوبکر رضؓ کے ہدایات

فتوحات کا سلسلہ حضرت ابوبکر رضؓ کے عہد گرامی ہی سے شروع ہو گیا تھا، خالد بن ولید، اور دوسرے سرداروں کی سرکردگی میں اسلام کے جیوش وعساکر، کافروں سے ان کی شرارتوں، اور دراندازیوں کے باعث، جنگ و پیکار کا سلسلہ کامیابی کے ساتھ جاری رکھے ہوئے تھے، لیکن فتوحات کے اس دور میں کبھی، اور کہیں بھی ایسا نہیں ہوا کہ ان حدود سے تجاوز کیا گیا ہو

[1] طبری، ج ا ح ۴ ص۱۳۸

جو اسلام نے جنگ و پیکار کے سلسلہ میں مقرر کر دیئے گئے ہیں، چنانچہ طبری کی روایت ہے:

خالد اور ان کے تمام افسروں نے ان فتوحات کے دوران میں کاشتکار طبقے سے کوئی تعرض نہیں کیا کیونکہ ابو بکر رض کی طرف سے ان کو ایسی ہی ہدایات دی گئی تھیں البتہ ان جنگجو لوگوں کی اولاد کو جو اہل عجم کی خدمات ملکی انجام دیتے تھے، گرفتار کر لیا، کاشتکاروں میں سے جو مقابلے پر نہیں آئے ان کو بحالہ رہنے دیا اور ان کو ذمی بنا لیا۔ (۱)

قید کر لو، قتل نہ کرو

حضرت خالد کی سرکردگی میں حضرت ابو بکر کے حسب الحکم، عجمیوں سے جنگ شروع ہوئی، ان لڑائیوں میں الیس کی جنگ خاص طور پر اہمیت رکھتی ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں دشمن کے ستر ہزار آدمی میدان جنگ میں کھیت رہے، جب اتنے آدمی ہلاک ہوئے، تو ظاہر ہے اسیران جنگ کی تعداد بھی بہت کافی ہوگی، اسی جنگ کا واقعہ ہے کہ جب دشمن نے شکست کھائی، اور راہ فرار اختیار کی تو مسلمانوں کی طرف سے، قتل و غارت کا سلسلہ فوراً بند کر دیا گیا، چنانچہ جیسے ہی، ! ــــ

خدا تعالے نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور ان کے دشمن کو مغلوب کر دیا، خالد نے اعلان کر دیا قید کرو، قید کرو، بجز اس کے کہ جو تمہارا مزاحم ہو کسی کو قتل نہ کرو، (۲)

---

(۱) طبری، ج ا ح ۴ ص ۲۰۴۲ (۲) طبری ج ا ح ۴ ص ۲۰۵۴

ذمیوں کے تحائف جزیہ میں محسوب ہونگے

عیسائیوں کے ایک عرب قبیلہ سے، جب حضرت خالد کی مڈ بھیڑ ہوئی اور وہ جنگ میں زیر ہوگیا، تو حضرت خالد نے اسلام، یا جزیہ پیش کیا ان لوگوں نے اسلام نہیں قبول کیا، جزیہ دینے پر راضی ہو گئے، اور خیر سگالی کے طور پر اپنے فاتح، حضرت خالد کی خدمت میں بہت سے تحائف بھیجے، حضرت خالد نے یہ تحائف، دربار خلافت میں بھیج دیئے حضرت ابوبکر نے ان تحائف کو، تحفے کے طور پر نہیں قبول کیا، بلکہ جزیہ میں محسوب کر لیا، ا

اس کے بعد خالد نے کہا تین چیزوں میں سے تم ایک کو اختیار کر دیا تو ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ اس صورت میں ہمارے تمہارے حقوق ایک ہو جائیں گے پھر خواہ تم یہاں سے کہیں ہجرت کر جاؤ یا اپنے وطن میں مقیم رہو، یا جزیہ دینا قبول کر دیا مقابلہ اور لڑائی، کیونکہ خدا کی قسم میں تمہارے مقابلے کے لیے ایسی قوم کو لایا ہوں جو موت کی اس سے زیادہ فریفتہ ہے جتنا کہ تم زندگی کے، ان لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کو جزیہ ادا کرتے ہیں خالد نے کہا کم بختو تم پر افسوس ہے، کفر گمراہی کا ایک میدان ہے احمق ترین عرب وہ ہے جو اس میدان بھٹکتا پھرتا ہو، اس کو دو رہنما ملیں ایک عربی مگر وہ اس کو چھوڑ دے دوسرا عجمی اور اس سے رہنمائی چاہے۔

ان لوگوں نے خالد سے ایک لاکھ نوے ہزار پر مصالحت

کرلی اور دوسرے وفود نے بھی ۔ ان کی تقلید کی اور خالد کی خدمت میں تحائف بھیجے خالد نے ہذیل کابلی کے ذریعے سے فتح کی خوشخبری اور وہ تحائف حضرت ابوبکر رض کی خدمت میں بھیج دیئے، حضرت ابوبکر رض نے ان کو جزیے میں محسوب کرکے قبول کرلیا، اور خالد کو لکھا کہ یہ تحائف اگر جزیے میں شامل ہیں تو خیر ورنہ تم ان کو جزیے میں شامل کرکے بقیہ رقم وصول کرکے اپنی فوج کی تقویت کے لیے کام میں لاؤ۔[۱]

کیا یہ دیانت صرف مسلمانوں ہی پر ختم نہیں ہوگئی ؟ کیا آج بھی فاتح مفتوح کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا ہے ؟

بغاوت، صلح، ـــ صلح بغاوت

عہد صدیقی میں، حضرت خالد نے، عراق اور شام کے متعدد مقامات پر یلغار کی، حیرہ کے عیسائی، تاب نہ لاسکے، انہوں نے صلح کا پرچم لہرایا، اور صلح کرلی، معاہدہ یہ طے پایا :-

خالد نے اہل حیرہ کو حسب ذیل معاہدہ لکھ دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ معاہدہ خالد رض بن الولید نے عدی کے دونوں بیٹوں عدی اور عمر سے اور عمرو بن عبدالمسیح سے اور ایاس بن قبیصہ سے اور حیری بن اکال سے کیا ہے یہ لوگ اہل حیرہ کے نقیب ہیں انہوں نے ان لوگوں کو اس معاہدے کی تکمیل کے لیے مجاز گردانا ہے اور وہ اس معاہدے پر رضامند ہیں، معاہدہ اس امر پر ہے کہ اہل حیرہ سے

---

۱ طبری، ج ۱ ح ۴ صفحہ ۱۶

اور ان کے پادریوں اور راہبوں سے سالانہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم جزیہ وصول کیا جائے گا مگر غیر مستطیع تارک الدنیا راہب اس سے مستثنیٰ ہوں گے اس کے معاوضے میں ہم ان کے جان و مال کی حفاظت کریں گے، اور جب تک ہم حفاظت نہ کریں جزیہ نہ لیا جائے گا، اگر ان لوگوں نے اپنے کسی قول یا فعل سے اس کی خلاف ورزی کی تو یہ معاہدہ فسخ ہو جائے گا، اور ہم ان کی حفاظت کی ذمہ داری سے بری ہو جائیں گے، (۱)

المرقوم ماہ ربیع الاول ۱۲ھ

لیکن اس عادلانہ، منصفانہ، اور رواداری نہ برتاؤ کا ان عیسائیوں نے جواب کیا دیا؟ تاریخ ہمیں بتاتی ہے:۔

یہ تحریر اہل حیرہ کے حوالے کر دی گئی تھی مگر حضرت ابوبکر رض کی وفات کے بعد اہل سواد مرتد ہو گئے تو ان لوگوں نے اس معاہدے کی توہین کی اور چاک کر ڈالا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ بھی پھر گئے اس کے بعد ان لوگوں پر اہل فارس کا تسلط ہو گیا۔

جب مثنیٰ نے حیرہ کو دوبارہ فتح کیا تو ان لوگوں نے اسی معاہدے پر تصفیہ چاہا مگر مثنیٰ نے اس منظور نہیں کیا، اور ان پر دوسری شرط عائد کی، اس کے بعد جب مثنیٰ بعض مقامات پر مغلوب ہو گئے تو ان لوگوں نے پھر دہی

---

(۱) طبری، ج ۱ ج ۴ ص ۱۹۰

حرکت کی، اور لوگوں کے ساتھ پھر گئے، باغیوں کی اعانت اور معاہدے کی توہین کی، اور اس کو چاک کر دیا، پھر جب اس کو سعد نے فتح کیا تو ان لوگوں نے پھر سابقہ معاہدوں پر تصفیہ چاہا سعد نے کہا ان دونوں میں سے کوئی ایک معاہدہ پیش کرو، مگر وہ لوگ پیش کرنے سے قاصر رہے اس لیے سعد نے ان پر خراج عائد کیا اور ان کی مالی استطاعت کی تحقیقات کرنے کے بعد علاوہ موتیوں کے چار لاکھ کا خراج عائد کیا ۔

ان پیہم شرارتوں، اور فتنہ طرازیوں کے بعد، یہ اہل حیرہ اس کے مستحق تھے، کہ پھر ان سے کوئی معاہدہ نہ کیا جائے، اور انہیں سخت سے سخت سزا دی جاتی، لیکن جانشین رسول ؐ کے دور میں ایسا نہیں ہو سکتا تھا، رحمت العالمین ؐ نے بار بار خطا کاروں، مفسدوں، اور باغیوں کو معاف فرمایا تھا، آپ ؐ کے جانشین کا طرزِ عمل بھی یہی رہا، ہر غلطی معاف فرمائی، ہر جرم بخش دیا،

ایک عجیب شرط اور اس کا نفاذ

ایک مسلمان تنویل نے جب آں حضرت ؐ سے فتح حیرہ کی پیشین گوئی سنی تھی، تو عرض کیا تھا کرامہ میری ہوگی، میں اس سے شادی کر دوں گا، اور آپ ؐ نے ہاں کہہ دیا تھا، یہ کرامہ عبدالمسیح کی بیٹی تھی، جو حیرہ کے عیسائیوں کا سر دھڑ تھا، حیرہ عہد صدیقی میں، فتح ہوا، تنویل نے صلح نامہ مرتب ہونے سے پہلے، حضرت خالد کو یہ واقعہ یاد دلایا، انہوں نے اہل حیرہ

ؐ طبری ج ا ح ۴ ص ۱۶۲، ۱۶۳

سے ایسی شرط پر مصالحت کی کہ کرامہ شویل کو دے دی جائے گی ، یہ بات کرامہ کے خاندان والوں کو ، بہت گراں گذری مگر کرامہ نے اپنے اہلِ خاندان سے کہا کوئی بات نہیں ، تم صبر سے کام لو ، جس عورت کی عمر ، اسی سال کی ہو چکی ہے ، اس کے بارے میں تم کیوں فکر مند ہوتے ہو ؟ اس شخص نے مجھے جوانی میں دیکھا ہوگا ، اور سمجھتا ہے کہ جوانی ہمیشہ قائم رہتی ہے ، یہ بات کرامہ کے اہلِ خاندان کی سمجھ میں آگئی ، انہوں نے اسے خالد کے پاس بھیج دیا خالد نے اسے شویل کے حوالے کر دیا ، کرامہ نے شویل سے کہا ، میں بڑھیا ہو چکی ہوں ، اب بھلا تمہارے کس کام کی رہی ؟ معاملہ فہمی سے کام لو ، بہتر یہ ہے کہ :

مجھ سے فدیہ لے لو شویل نے کہا مگر رقم متعین کرنے کا اختیار مجھے ہوگا کرامہ نے کہا ہاں تمہیں اختیار ہے جتنی چاہو مقرر کر دو شویل نے کہا میں اپنی ماں کی اولاد نہیں ہوں اگر تجھ سے ایک ہزار درہم سے کم لوں ، کرامہ نے شویل کو دھوکہ دینے کے لیے کہا اوہو یہ تو بہت ہے اس کے بعد وہ رقم لا کر شویل کو دے دی اور اپنے گھر واپس چلی گئی ۔

لوگوں کو معلوم ہوا تو سب شویل کو بُرا بھلا کہنے لگے اُنہوں نے کہا کہ میں سمجھتا تھا کہ ہزار سے اُوپر کوئی عدد نہیں ہے لوگوں نے کہا تمہیں تم جا کر اُن سے جھگڑو شویل خالدؓ کے پاس آئے اور کہا میری مراد انتہائی عدد سے تھی مگر لوگ کہتے ہیں کہ عدد ہزار سے اوپر بھی ہوتا ہے ، خالدؓ نے کہا تم کچھ چاہتے تھے اور اللہ نے کچھ چاہا ، ہم اس پر عمل کریں گے

جو ظاہر ہے تم جانو تمہاری نیت جانے خواہ تم صادق ہو یا کاذب ہم اس تصفیے میں اب کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ (۱)

ایک اور معاہدہ

عہد صدیقی میں، خالد نے، ایک معاہدہ۔ بانقیا اور باسما کے عیسائیوں سے ان کے پادریوں کی وساطت سے کیا، ا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم — یہ معاہدہ خالدؓ بن الولید کی طرف سے صلوبا بن نسطونا اور اس کی قوم کے لیے لکھا جاتا ہے میں تم سے جزیہ قبول کرتا ہوں اور اس کے معاوضے میں تمہاری دونوں بستیوں بانقیا اور باسما کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں، اس جزیے کی رقم دس ہزار دینار ہے موتی اس کے علاوہ ہیں یہ رقم ہر مستطیع اور جز معاش سے اس کی حیثیت کے مطابق سالانہ وصول کی جائے گی، اور تم کو اپنی قوم کا نقیب مقرر کیا جاتا ہے، جس کو تمہاری قوم قبول کرتی ہے میں اور میرے ساتھ کے سب مسلمان اس معاہدے پر رضامند ہیں اور اس کو قبول کرتے ہیں اسی طرح تمہاری قوم بھی رضامند ہے آج سے تم ہماری ذمہ داری اور حفاظت میں داخل ہو، ہم تمہاری حفاظت کریں گے تو جزیے کے حقدار ہوں گے ورنہ نہیں" اس معاہدے پر ہشامؓ بن الولید قعقاعؓ بن عمرو، جریرؓ بن عبداللہ حمیری حنظلہؓ بن ربیع نے گواہی کے دستخط کیے اور یہ ماہ صفر ۱۲ھ میں لکھا گیا۔ (۱)

ان معاہدوں میں غور طلب بات یہ ہے کہ اس امر کی وضاحت کر دی

---

(۱) طبری، ج ۱ ح ۴ ص ۱۶۶

جاتی تھی کہ

"ہم تمہاری حفاظت کریں گے تو جزیہ کے حق دار ہوں گے ورنہ نہیں، !"

آج کل تو محکوموں سے جبری چندے لیے جاتے ہیں، جبری تعاون حاصل کیا جاتا ہے، لیکن اسلام کے عہدِ گرامی میں، جزیہ بھی اس وقت تک لیا جاتا تھا جب تک ان کی حفاظت ممکن ہو، اور اگر حالات ایسے ہوں کہ مسلمان اپنی اس "ذمہ" داری کو انجام نہ دے سکیں، تو پھر جزیہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا

نو مسلم شہید

جنگ یرموک کا ایک واقعہ، ———:

یہ جنگ تاریخ اسلام میں، غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے، مسلمان بہت کم تھے، اور عیسائی حد شمار سے خارج، وقت بھی بڑا نازک ہے، عین اس حالت میں، حضرت ابوبکر کی خبر وفات خالدؓ کو ملتی ہے، وہ اس خبر کو افشا نہیں کرتے،

جنگ جاری رہتی ہے، !

اور اسی جنگ کے دوران میں، ایک عجیب واقعہ رونما ہوتا ہے،

——— اور اس طرح کے عجیب واقعات تاریخ اسلام کے جزو بن چکے ہیں –

——— واقعہ یہ ہے کہ دشمن لشکر کا ایک سوما، !

جرجہ اپنی فوج سے نکل کر دونوں صفوں کے درمیان کھڑا ہوگیا اور آواز دی خالدؓ اپنی فوج سے نکل کر میرے پاس آئیں، خالد بڑھ کر اس کے پاس پہنچے اور اپنی جگہ ابو عبیدہ کو کھڑا کر گئے، جرجہ نے خالدؓ کو دونوں صفوں کے درمیان ٹھہرا لیا، دونوں اتنے

قریب ہو گئے کہ ان کے گھوڑوں کی گردنیں آپس میں مل گئیں، کیونکہ دونوں نے ایک دوسرے کو امان دے دی تھی۔

جرجہ نے کہا اے خالدؓ سچ کہنا، جھوٹ نہ بولنا، شریف جھوٹا نہیں ہوتا، اور نہ مجھے دھوکہ دینا کیونکہ کریم النفس انسان ایسے شخص کو دھوکا نہیں دیتا جو خدا کا واسطہ دے کر آتا ہے، کیا اللہ نے تمہارے نبی پر آسمان سے کوئی تلوار اُتاری ہے اور انہوں نے وہ تلوار تم کو دے دی ہے کہ تم جس قوم پر اس تلوار کو کھینچتے ہو وہ شکست ہی پاتی ہے، خالدؓ نے کہا ایسا تو نہیں ہے جرجہ نے پوچھا پھر تمہارا نام سیف اللہ کیوں ہے خالدؓ نے کہا اللہ نے ہم میں اپنے ایک نبی کو مبعوث کیا اس نے ہم کو دعوت دی پہلے تو ہم میں سے کسی نے ان کی بات نہ مانی بلکہ اس سے الگ الگ رہے مگر کچھ عرصے کے بعد بعض لوگوں نے اس کی تصدیق کی اور اس کے پیرو ہو گئے اور بعض اس سے دُور رہے اور اس کو جھٹلایا میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے اس کی تکذیب کی اس سے دور رہے اور اس سے لڑے مگر اللہ نے ہمارے دلوں اور پیشانیوں کو پکڑ لیا اور ہم کو ہدایت دی ہم نے اس کی پیروی کی۔ پھر اس پیغمبر خدا نے مجھ کو فرمایا کہ تم اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہو جس کو اللہ نے مشرکین پر کھینچا ہے، آپ نے میرے لیے نصرت کی دعا فرمائی ہے، یہی وجہ ہے کہ میں سیف اللہ مشہور ہوں اور مشرکوں کے لیے سب سے زیادہ سخت مسلمان ہوں، جرجہ نے کہا بے شک تم مجھ

سے پہچ سچ کہہ رہے ہو،

جرجہ نے کہا اے خالدؓ بتاؤ تم مجھے کن باتوں کی طرف دعوت دیتے ہو خالد نے کہا میں تم کو اس امر کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ تم شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور اقرار کرو کہ محمدؐ جو کچھ لائے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہے، جرجہ نے کہا اور جو شخص تمہاری اس بات کو نہ مانے، خالدرضؓ نے کہا وہ جزیہ ادا کرے ہم اس کے جان و مال کی حفاظت کریں گے، جرجہ نے کہا اگر کوئی جزیہ بھی نہ دے، خالدرضؓ نے کہا ہم اس کو اعلان جنگ دیں گے اور اس کے بعد اس سے لڑیں گے، جرجہ نے کہا اچھا جو شخص تمہاری اس دعوت کو آج قبول کرلے اس کا درجہ کیا ہوگا خالدؓ نے کہا خدا تعالےٰ نے جو ہم پر فرائض عائد کئے ہیں ان کے لحاظ سے اعلیٰ، ادنیٰ اور اول، آخر سب مساوی اور ہم رتبہ ہیں،

جرجہ نے کہا، اے خالدؓ جو شخص آج تمہارے مذہب میں داخل ہوتا ہے کیا اس کو وہی اجر و ثواب ملے گا، جو تم کو ملے گا، خالدؓ نے کہا ہاں بلکہ ہم سے زیادہ، اس نے کہا وہ تمہارے برابر کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ تم اس سے سبقت رکھتے ہو، خالدؓ نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ اسلام میں اس وقت داخل ہوئے تھے اور اپنے نبی صلعم سے ہم نے اس وقت بیعت کی تھی جبکہ وہ ہم میں بقید حیات تھے،

آسمان پر سے آپ پر خبریں آتیں تھیں آپ ہم کو کتابوں کی خبریں سناتے
تھے اور اللہ کی نشانیاں دکھاتے تھے، ہماری طرح جس شخص نے
یہ چیزیں دیکھی اور سنی ہیں اس کا تو فرض تھا کہ وہ اسلام قبول
کر کے آپ سے بیعت کرلے مگر تم نے وہ عجیب باتیں اور
وہ خدائی کہانیاں کہاں دیکھی اور سنی ہیں جن کا ہم کو موقع
ملا ہے، اس لیے تم میں سے جو شخص صداقت اور خلوص نیت
سے اس دین میں داخل ہو گا وہ ہم سے افضل ہو گا،

جرجہ نے کہا خالدؓ قسمیہ کہو کہ تم نے مجھ سے یہ باتیں سچ
کہی ہیں تم نے مجھے دھوکا تو نہیں دیا اور نہ میرا دل خوش کرنا
چاہا، خالدؓ نے کہا بخدا میں تم سے سچ کہتا ہوں، مجھے تمہارا
یا تم میں سے کسی کا ذرا خوف نہیں ہے خدا گواہ ہے کہ میں نے تمہارے
سوالات کا جواب ٹھیک ٹھیک دیا ہے، جرجہ نے کہا میں
آپ کی صداقت کو تسلیم کرتا ہوں، پھر اس نے اپنی ڈھال کو
پلٹ دیا اور خالدؓ کے ساتھ چلا آیا اور اُن سے درخواست کی
کہ آپ مجھے اسلام کی تعلیم دیجیے خالدؓ جرجہ کو اپنے ہمراہ اپنے
خیمے میں لائے، اس کے اوپر مشکیزہ اونڈیل کر آپ نے اس کو
غسل کرایا اس کے بعد جرجہ نے دو رکعت نماز پڑھی،

جرجہ کو خالدؓ کے ساتھ پلٹتے دیکھ کر رومیوں نے حملہ کر دیا وہ
سمجھے کہ جرجہ حملہ کرتا ہوا جا رہا ہے رومیوں نے اس حملے سے
مسلمانوں کو اُن کی جگہ سے ہٹا دیا مگر مددگار دستے جن کے افسر
عکرمہ اور حارث بن ہشام تھے اپنی جگہ جمے رہے، اس کے

بعد خالدؓ اور ان کے ساتھ جرجہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر واپس آئے اس وقت رومی مسلمانوں کی فوج میں گھسے ہوئے تھے، خالدؓ نے مسلمانوں کو للکارا جس سے ان کے قدم جم گئے اور رومی اپنی جگہوں کو واپس ہو گئے، خالدؓ رومیوں پر چڑھ دوڑے تلواروں پر تلواریں چلنے لگیں یہاں تک کہ دن چڑھنے سے لے کر غروب آفتاب تک خالد اور جرجہ دشمنوں کی گردنیں اڑاتے رہے آخر کار جرجہ شہید ہو گئے، جرجہ نے بجز ان دو رکعات کے جو انہوں نے اسلام لانے کے وقت پڑھی تھیں اور کوئی نماز سجدے کے ساتھ ادا نہیں کی، ظہر اور عصر کی نمازیں سب نے اشاروں سے ادا کی تھیں، (۱)

یہ تھی اسلام کی تلوار، جو دل پر چلتی تھی، گردن پر نہیں، !

مسلمانوں کی تعریف دشمن کی زبان سے

عہد صدیقی میں، فتوحات کا سلسلہ جاری ہے، !

جب خالدؓ سوی پہنچ گئے تو وہاں جاتے ہی صبح ہونے سے ذرا قبل اس کے باشندوں پر شب خون مارا یہ لوگ قبیلہ بہراء کے تھے، ان میں کی ایک جماعت شراب نوشی کا لطف اٹھا رہی تھی، درمیان میں شراب کا کونڈا رکھا تھا اور مطرب یہ اشعار گا رہا تھا،

لہ طبری، ج ا ح ۴ ص ۲۰۱

الا علانی قبل جیش ابی بکر — لعل منایانا قریب وما ندری

الا علانی بالزجاج وکررا — علی کمیت اللون صافیۃ تجری

الا علانی من سلافۃ قہوۃ — تسلی ہموم النفس من جید الخمر

اظن خیول المسلمین وخالدا — ستطرقکم قبل الصباح من البشر

فہل لکم فی السیر قبل قتالکم — وقبل خروج المعصرات من الخدر

(ترجمہ) دوستو مجھے ابو بکرؓ کی فوج کے آنے سے پہلے پلا دو، شاید ہماری موت قریب آگئی ہے جس سے ہم بے خبر ہیں تم مجھے بلور کے جام میں شراب ارغوانی پلا دو اور پھر پلا دو، ہاں ایسی نفیس شراب پلا دو جس سے سارے رنج وغم دور ہو جائیں، میں سمجھتا ہوں کہ صبح نہ ہونے پائے گی کہ بشر کی طرف سے خالد اور اس کی فوج تم پر چھاپہ مارے گی لہٰذا اگر قتل وغارت سے پہلے اور کنواریوں کے بے پردہ ہونے سے پہلے تم یہاں سے بھاگ جانا چاہتے ہو تو بھاگ جاؤ،

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ وہ مطرب اس حملے میں قتل ہو گیا اور اس کا خون اس شراب کے کونڈے میں مل گیا،

سوئی سے روانہ ہو کر خالدؓ نے مرج راہط میں غسان پر چھاپہ مارا وہاں سے بڑھ کر قناۃ بصریٰ پہنچے، وہاں ابو عبیدہ بن الجراح، شرجیل بن حسنہ، اور یزید بن ابی سفیان پہلے سے موجود تھے ان سب نے ملکر قناۃ بصریٰ کو محصور کر لیا مجبوراً بصریٰ والوں نے جزیہ پر صلح کر لی اور خدا نے بصریٰ پر مسلمانوں کو فتح عنایت فرما دی، شام کے علاقے کا یہ پہلا شہر ہے جو ابو بکرؓ کے زمانہ خلافت میں فتح ہوا، اس کے

بعد یہ سب اُمرا عمرو بن العاصی کی امداد کے لیے فلسطین کی طرف روانہ ہوئے عمرو اس وقت فلسطین کے نشیبی علاقے میں عربات میں مقیم تھے۔ رومیوں کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ جلق چھوڑ کر اجنادین میں پہنچے ان کا سپہ سالار ہرقل کا حقیقی بھائی تذارق تھا، اجنادین فلسطین کے علاقے میں رملہ اور بیت جبرین کے درمیان ایک شہر ہے عمرو بن العاص کو جب ابو عبیدہ بن الجراح، شرجیل حسنہ اور یزید بن ابی سفیان کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ اُن کے ساتھ مل گئے اور سب نے اجنادین پر جمع ہو کر رُومیوں کے سامنے صف آرائی کی،

داستان ابھی ختم نہیں ہُوئی، جاری ہے'! ——

عروہ بن زبیر کی روایت یہ ہے کہ رومیوں کا سپہ سالار اُن میں کا ایک شخص قبقلار نامی تھا ہرقل قسطنطنیہ جاتے وقت اس کو شام کے اُمرا پر اپنا نائب مقرر کر گیا تھا اور تذارُق اپنے ساتھ کی رُومی فوجوں کو لیکر اس کے پاس آگیا تھا مگر علمائے شام کا خیال یہ ہے کہ رومیوں کا سپہ سالار تذارُق تھا واللہ اعلم،

جب طرفین کے لشکر قریب ہو گئے قبقلار نے ایک عربی شخص کو بلایا جس کے متعلق سنا گیا ہے کہ وُہ قبیلۂ قضا کے تزید بن حیدان کے خاندان سے تھا جس کا نام ابن ہُزارف تھا، قبقلار نے اس سے کہا تم ان لوگوں میں جا کر ایک دن رات ٹھیرو اس کے بعد آ کر مجھے ان کے حالات سے باخبر کرو، وُہ شخص عربوں کی فوج میں داخل ہو گیا عربی وضع قطع

ہونے کی وجہ سے کسی نے اس کو اجنبی نہ سمجھا، وہ ایک رات اور ایک دن وہاں مقیم رہا، پھر قبقلار کے پاس واپس آیا اس نے پوچھا کہو کیا خبر لائے ہو اس نے کہا وہ لوگ رات کو راہب ہیں اور دن کو شہ سوار ہیں ان کے انصاف کا یہ حال ہے کہ اگر ان کے بادشاہ کا فرزند بھی چوری کرے تو وہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالتے ہیں اور اگر زنا کا مرتکب ہو تو وہ اس کو سنگسار کرتے ہیں،

قبقلار نے یہ سن کر کہا کہ اگر تم یہ باتیں سچ کہہ رہے ہو تو سطح زمین پر ان سے مقابلہ کرنے کی بہ نسبت میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ زمین کے اندر سما جاؤں، اے کاش خدا مجھ پر اتنا کرم فرمائے کہ مجھے ان سے چھٹکارا دلا دے نہ میں ان پر فتح پاؤں اور نہ وہ مجھ پر،

اس کے بعد لڑائی شروع ہوگئی لوگ ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے اور قتل کا بازار گرم ہوگیا، مسلمانوں کی لڑائی کا حال دیکھ کر قبقلار پریشان ہوگیا اس نے رومیوں سے کہا تم میری آنکھوں پر پٹی باندھ دو انھوں نے پوچھا کیوں، اس نے کہا آج کا دن بڑا منحوس ہے، میں اس کو دیکھنا نہیں چاہتا میں نے دنیا میں آج تک ایسا سخت دن نہیں دیکھا ہے، چنانچہ جب مسلمانوں نے اس کا سر قلم کیا تو وہ کپڑے میں لپٹا ہوا تھا، اجنادین کی جنگ، ۱ جمادی الاول ۱۳ھ کو واقع ہوئی تھی۔ (۱)

---

(۱) طبری، ج ۱ ح ۴، ص ۲۲۵

پہلے دَور کا خاتمہ

حضرت ابوبکر صدیق کے عہد گرامی پر ایک اجمالی نظر ہم نے ڈال لی، اور معلوم کر لیا کہ، خلافت راشدہ کا یہ پہلا دَور، جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد، شروع ہوا تھا، غیر مسلموں کے ساتھ رواداری حسن سلوک، اور، وسعت قلب وظرف کے اعتبار سے کیسا رہا؟ کیسے کیسے بے پناہ مجرموں کو معافیاں دی گئیں، کیسے کیسے خطا کاروں کو نوازا گیا، کیسے کیسے دُشمنوں پر عفو و کرم کی بارش کی گئی، کیسے کیسے باغیوں، مفسدوں فتنہ طرازوں، در اندازوں، سازش کرنے والوں اور تفرقہ پیدا کرنے والوں کو لطف و عطا کے دامن میں پناہ دی گئی ——

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی؟
میرے جرم ہائے سیاہ کو ترے عفو بندہ نواز میں،

یہ شعر، اپنی معنویت اور صداقت کے اعتبار سے، رسالت مآب ؐ کے پہلے جانشین، اور خلیفہ حضرت ابوبکر رضؓ کے بارے میں بھی پُورے طور پر صادق آتا ہے، اور کیوں نہ ہو، آخر یہ رحم و کرم، یہ لطف و عطا، یہ خطا بخشی اور جرم پوشی، یہ لطف و مدارا، یہ، رعایت و مروّت حضرت صدیق نے لی کہاں سے تھی؟ کیا ان تمام، عاداتِ شریفہ، اور خصائل عالیہ کا سرچشمہ، ذات رسالت پناہ ہی نہیں تھی؟ یہ سارے مظاہرے، اسی ذات گرامی کے پرتو اور صدقے کا نتیجہ تھے، ؛

اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ نے اپنی شخصیت کو، ذات رسالت مآب میں اس طرح جذب کر لیا تھا کہ، وہ صحیح معنی میں مزاج شناس رسول ؐ بن گئے تھے، طبعاً اور قلباً ان سے وہی کچھ صادر ہوتا

تھا۔ جو رسالت مآبؐ کے منشا اور مرضی کے عین مطابق ہوتا تھا، آخر دوسرے صحابہ کرام کے مقابلہ میں آپ کو بارگاہ رسالت میں اس درجہ قرب و اختصاص کیوں حاصل تھا؟ اس کی وجہ صرف ایک ہی تھی اور وہ یہ کہ انہوں نے اپنی غیر معمولی عقیدت اور شیفتگی کی بنا پر سمجھ لیا تھا کہ، رسول اللہؐ کا مزاج کیا ہے، ؟ طرز فکر کیا ہے؟ اسلوب کار کیا ہے؟ ورنہ ذرا غور تو فرمایئے، ؟ آں حضرتؐ کی وفات کے فوراً بعد جیش اسامہ روانہ ہو سکتا تھا؟ انتہائی نامساعد، لرزہ خیز، اور ہولناک زمانہ میں، جب نہ فوج تھی، نہ سپاہ نہ مال نہ دولت، نہ وسائل و ذرائع، جب دشمن سیل رواں کی طرح چڑھا آ رہا تھا، دوست پریشان اور مضطرب تھے، دشمن مسرور و مطمئن، بھلا یہ ممکن تھا کہ مرتدین کی سرکوبی اور ان سے مقاتلہ مجادلہ کا فیصلہ پوری عزمیت کے بغیر کر لیا جاتا، ؟ یہاں تک کہہ دیا جاتا کہ، اگر کوئی میرا ساتھ نہیں دے گا۔ تو میں تن تنہا دشمن سے جنگ جاری رکھوں گا، ؟ ذرا حضرت عمر فاروق کی جلالت شان پر ایک نظر ڈالیے، یہ دیکھئے کہ وہ پہلے شخص تھے جس نے سقیفہ بنی ساعدہ کے موقع پر حضرت ابوبکر کی طرف دست بیعت بڑھایا تھا، اگر انہوں نے اس موقع پر عجلت نہ کی ہوتی، تو شاید خلافت کا مسئلہ، اس یکسوئی کے ساتھ نہ طے ہو پاتا، یہ بھی پیش نظر رکھئے کہ حضرت عمر کے تدبّر، معاملہ فہمی، اصابت رائے، خلوص، اور جاں نثاری اسلام کے حضرت ابوبکر بھی کس درجہ قائل تھے، آں حضرتؐ نے جیش اسامہ کا ایک ممبر حضرت عمرؓ کو بھی نامزد کیا تھا۔ یہ بھی اسامہ کی ماتحتی میں، لشکر کے ساتھ روانہ ہو رہے تھے کہ لوگوں نے اسامہ کے بارے میں، اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا، کہ یہ نوجوان لڑکا۔ کم سال، اور کار آزمودہ، لوگوں کا سردار

کیوں رکھا جائے ؟ یہ پیام لے کر حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ کے پاس آتے ہیں، حضرت ابوبکر انہیں جھڑک دیتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے، جسے رسول اللہ نے جیش کی قیادت سپرد کی ہو میں اس سے یہ منصب چھین لوں، حضرت عمر خاموش ہو جاتے ہیں، اور لشکر روانہ ہو جاتا ہے اور اس لشکر کی مشایعت کرتے ہوئے آپ شہر سے باہر تک اس طرح جاتے ہیں کہ خود پا پیادہ ہیں، اور اسامہ سوار، وہ سواری سے اُترنا چاہتے ہیں، یہ ممانعت فرماتے ہیں، اور پھر سالار لشکر رائے عدم سے استدعا کرتے ہیں، کہ اگر ہو سکے تو عمر کو اپنے ساتھ نہ لے جاؤ، میں مشیر کی حیثیت سے اُنہیں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں، اسامہ کو اس ارشاد کے تسلیم کرنے میں کیا عذر ہو سکتا تھا، وہ حضرت عمر کو رخصت کر دیتے ہیں، اور وہ حضرت ابوبکر کے ساتھ واپس آجاتے ہیں،

ابوبکر، عمر کو، مشیر اور صلاح کار کی حیثیت سے اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ کہ واقعۂ ردۃ پیش آجاتا ہے، یعنی مرتدین کا مسئلہ، حالات کی نزاکت کو حضرت عمر محسوس کرتے ہیں، اور مشورہ دیتے ہیں، کہ مرتدین کے ساتھ جنگ نہ چھیڑی جائے، ان کی بات مان لی جائے، اور زکوٰۃ کا مطالبہ نہ کیا جائے، یہ سُنکر، اس پیکر حلم وعفو کا چہرہ دفور غضب سے تمتما اٹھتا ہے اور وہ عمر فاروق کو مخاطب کر کے کہتا ہے،

انت جبّار فی	تم عہد جاہلیت میں بڑے سورما بنتے
الجاھلیۃ وخوّار	تھے مگر اسلام قبول کر کے بزدل بن
فی الاسلام ؟	گئے ہو، ؟

اور پھر عزم و استقامت کی پوری شان کے ساتھ فرماتے ہیں :—

" خدا کی قسم یہ لوگ اگر ایک رسّی بھی زکوٰۃ میں دیتے تھے، اور اب اس سے انکار کرتے ہیں تو میں تن تنہا ان سے جنگ کروں گا" !

پھر حضرت خالد بن ولید کا واقعہ پیش آتا ہے، خالد کو رسالت مآبؐ نے سیف اللہ کا خطاب دیا تھا، حضرت ابوبکر ان پر بہت زیادہ اعتماد فرماتے تھے، اور ان کی بعض لغزشوں تک سے اس خصوصیت اور ان کے شاندار خدمات کے پیش نظر درگذر فرما دیتے تھے، کہ مالک بن نویرہ کے قتل کا واقعہ پیش آتا ہے، اور شکایت، حضرت ابوبکرؓ تک پہنچتی ہے حضرت عمر مُصر ہیں کہ خالد کو معزول کر دیا جائے اور اُنہیں سزا دی جائے حضرت ابوبکر یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں، انہیں ان کے منصب پر بحال رکھتے ہیں، اور خون بہا ادا کر دیتے ہیں، حضرت عمر بار بار اپنی رائے پر اصرار کرتے ہیں حضرت ابوبکر ہر مرتبہ اس رائے کو مسترد کر دیتے ہیں،

ان واقعات سے کیا ثابت ہوتا ہے ؟

کیا یہ نہیں ثابت ہوتا، کہ حضرت ابوبکر، گو سراپا رحم وکرم تھے، لیکن اصولی اور بنیادی معاملات میں نہ وہ کسی شخصیت کو خاطر میں لاتے تھے، نہ کسی مشورہ کی پروا کرتے تھے، نہ حالات کی ناساعدت سے گھبراتے تھے، نہ مخالفوں اور دشمنوں کی یورشوں سے پریشان ہوتے تھے، وہی کرتے تھے جو ان کا ضمیر کہتا تھا، وہی کہتے تھے، جو حق کا تقاضہ ہوتا تھا۔

یہ اس عزم واستقامت کا کرشمہ تھا کہ ناسازگار حالات سازگار ہو گئے، دشمنوں کا وجود باقی نہ رہا، جنہوں نے بغاوت اور سازش کا ایک جال پھیلا دیا تھا، اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب، ——————

مسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب

کا خدانخواستہ وقت آگیا ہے، اسلام بھی گیا، اور مسلمان بھی رخصت ہوئے لیکن آن کی آن میں حالات نے پلٹا کھایا، باغی کچل دیے گئے، سازشیں ناکام ہوگئیں، اور، اسلام کا پرچم پوری آب وتاب کے ساتھ لہرانے لگا، ——!

عہدِ عمرؓ

ابو بکرؓ کا دَور ختم ہوا، اب فاروقِ رضؓ کا دَور شروع ہوتا ہے، یہ دور اپنے امتیازات و خصائص کے اعتبار سے تاریخ اسلام کا مایۂ ناز دَور ہے،

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، جب حضرت ابو بکرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو انہیں نازک ترین اور سنگین ترین صورت حالات سے دو چار ہونا پڑا مگر وہ، غیر معمولی فراستِ ایمانی، اصابت رائے، اور عزم و استقامت کے حامل نہ ہوتے، تو شاید اسلام کی تاریخ آج کچھ اور ہوتی، وقت کی نزاکت دیکھئے حضرت عمر جیسا شخص بھی، نرمی، اور ملاطفت کا مشورہ، باغیوں اور فتنہ طرازوں کے ساتھ دے رہا تھا، حضرت ابو بکرؓ اگر یہ مشورہ قبول کر لیتے، تو پھر تاریخ اسلام میں کوئی عمرؓ نہیں اُبھر سکتا تھا، یہ مشورہ رد کر کے اُنہوں نے، درحقیقت ایک نئے، شاندار، اور سبق آموز عہد کی تشکیل کی، یہ مشورہ نہ مان کر، انہوں نے اسلام کا وقار بلند کر دیا، اسلام کی آن اور شان میں چار چاند لگا دیئے، اسلام کی عظمت اور بزرگی کا پرچم، چار دانگ عالم میں بلند کر دیا، داخلی امن، اور خارجی دبدبہ کی وہ مثال قائم کی جس کی نظیر چشم فلک نے پھر کبھی نہ دیکھی، ابو بکرؓ جب مسند

خلافت پر بیٹھے، تو حالات کی نامساعدت انتہا کو پہونچی ہوئی تھی، ڈھائی سال کے بعد اس عالم فانی سے رخصت ہوتے ہوئے، جب یہ مسند انہوں نے عمر رض کو سونپی تو حالات بالکل بدل چکے تھے، مرتدین کا فتنہ ختم ہو چکا تھا، اندرونی امن و امان کا دور دورہ تھا، انصار اور مہاجرین میں نہ صرف یہ کہ کسی طرح کی آویزش اور کشمکش نہیں تھی، بلکہ وہ اخوت باہمی کا پیکر ایک بار پھر بن چکے تھے، نظم مملکت میں کسی طرح کی خلل اندازی کا موقعہ نہیں باقی رہ گیا تھا، باغیوں، شرپسندوں، اور فتنہ انگیزوں کا قلع قمع کیا جا چکا تھا، اللہ کے بندوں پر اللہ کی حکومت قائم کی تھی، زکوٰۃ ادا کی جا رہی تھی، فرائض، واجبات، اور سنت کی انجام دہی میں، کسی طرح کی رکاوٹ نہیں تھی، کسی طرح کا خلل نہیں تھا، ساری امت، سمع و طاعت کا پیکر بن چکی تھی، کجی، سرکشی، اور بغاوت کے جراثیم ختم ہو چکے تھے، ابوبکر رض کو نظم و نسق کی عمارت خود بنانی پڑی، اور کوئی شبہ نہیں، انہوں نے یہ عمارت اپنا خون پانی ایک کرکے بنائی، ذرا بھی اگر چوکتے، تو عمارت ہی ختم تھی، اور معمار بھی، عمر رض نے اس عمارت کی تزئین و آرائش اس شان سے کی، کہ وہ بالکل نئی معلوم ہونے لگی، اور بلاشبہ یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے، جسے کبھی اور کسی حالت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا،

منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد، حضرت ابوبکر رض صرف ڈھائی سال زندہ رہے، حضرت عمر رض تقریباً دس سال تک جاہ و جلال اور شان و تجمل کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے؟ مدت کا یہ فرق بھی، تاریخ کے دامن پر نقش و نگار قائم کرنے کے سلسلہ میں کافی اثر انداز رہا ہے، اب ہم عہد عمر رض کا ایک مختصر سا جائزہ لیتے ہیں، اور دیکھیں گے اس

دور میں غیر مسلموں کی کیا کیفیت رہی ؟ جانشین رسول ؐ نے ان کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کیا، خود اپنی حکومتوں اور مملکتوں میں وہ کس طرح کی زندگی بسر کرتے تھے، اور اسلام کے سایۂ عاطفت میں آجانے کے بعد، ان کا کیا حال ہوتا تھا؟ اسی داستان کو اگر پھیلایا جائے۔ تو ہزاروں صفحات بھی ناکافی ہوں گے، لیکن ہم اسے سمیٹ کر چند صفحوں میں بیان کرنے کی کوشش کریں گے،

حضرت عمر رضؓ کے بارے میں، ان کے معاصرین میں سے بعض لوگ یہ رائے رکھتے تھے، کہ ان کے مزاج میں تشدد اور سختی ہے، اور یہ رائے کچھ غلط بھی نہ تھی، تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں، برہم ہو کر جس طرح وہ داعیٔ اسلام علیہ السلام کا خاتمہ کرنے چلے تھے، پھر راستہ میں اپنی ہمشیرہ کے اسلام کا حال معلوم کر کے جس طرح وہ انہیں سزا دینے گھر پہنچے اور اس جرم میں انہیں مارتے مارتے لہولہان کر دیا، غزوۂ بدر کے موقعہ پر، اسیران جنگ کے سلسلہ میں، جب آنحضرت ؐ نے صحابہ سے ان کے مستقبل کے بارے میں مشورہ فرمایا، تو جہاں حضرت ابو بکر رضؓ نے یہ رائے دی کہ انہیں، قیدی بنا کر رکھا جائے، پھر لطف و احسان، یا فدیہ اور معاوضہ کے ماتحت انہیں رہا کر دیا جائے، وہاں حضرت عمر نے بے تامل یہ رائے دی کہ ان کی گردن اڑا دی جائے، اس لیے کہ یہ کفر کے اکابر تھے، اور انہوں نے اسلام کے راستہ میں دشواریوں کے پتھر نہیں پہاڑ لاکر کھڑے کر دیئے تھے، حضرت عمر کی یہ رائے کچھ بے جا بھی نہ تھی، پھر ختم مکہ سے ذرا پیشتر، جب ابو سفیان کا شانۂ اعانت میں، پہنچے، تو جہاں عباس رضؓ اور علیؓ انہیں پروانۂ معافی دلانے کے ساعی تھے، وہاں عمر رضؓ قتل کی اجازت حاصل کرنے کے درپے تھے، حالات کے لحاظ سے اس موقع پر بھی، حضرت عمر کی رائے غلط نہ تھی، اس شخص نے اسلام، داعی اسلام ؐ اور

اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، اسے نہ فراموش کیا جا سکتا تھا، نہ معاف کیا جا سکتا تھا، لیکن رحمۃ للعالمین کی بارگاہ، عفو و مرحمت کی بارگاہ تھی، تعزیر و انتقام کا دربار نہ تھا، یہاں سے ہمیشہ بڑے بڑے خطاکاروں کو سنگین ترین جرائم کے باوجود، پروانۂ عفو ملا، ابوسفیان کی قسمت یاور تھی، لرزاں و ترساں آیا تھا، شاداں و فرحاں واپس گیا، ان واقعات سے، حضرت عمرؓ کے رجحان اور مزاج کا بہ آسانی اندازہ ہو جاتا ہے، ان کی درشتیٔ مزاج کی شکایت، جب حضرت ابوبکرؓ سے نامزدگیٔ خلافت کے وقت کی گئی، تو انہوں نے جواب دیا تھا، وہ سختی اس لیے کرتے ہیں کہ میں ملاطفت کا خوگر ہوں، لیکن جب ذمہ داری کی باگ ان کے ہاتھ میں آئے گی، تو یہ صورت نہ رہے گی، اور کوئی شبہ نہیں حضرت ابوبکر کی یہ رائے بالکل درست ثابت ہوئی،

مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد، حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل بالکل بدل گیا، اور جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہے، سراپا، رحمت و مرحمت بن گیا،

اب ہم، اختصار کے ساتھ حضرت عمر کے عہد گرامی کے کچھ واقعات پیش کریں گے،

(۱)
ذمّی کے بدلے مسلمان کا قتل

انصاف اور معدلت اور انسانیت کا جہاں تک تعلق تھا، حضرت عمر کا طرزِ عمل بھی وہی تھا، جو رسالت مآب کا، اور حضرت ابوبکر کا تھا، یعنی حق اور انصاف کے معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کسی طرح کا امتیاز روا نہیں رکھا جا سکتا، چنانچہ علامہ ابوبکر جصاص، ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:-

ان رجلا من المسلمین
قتل رجلا من عبادیین
فقدم اخوہ علی عمر بن الخطاب
فکتب عمر ان یقتل

ایک مسلمان نے عبادیوں (۱) کے ایک آدمی
کو قتل کر ڈالا، حضرت عمرؓ سے فریاد
کی گئی، آپ نے مسلمان کے قتل کا
حکم صادر فرما دیا، (۲)

بظاہر یہ بہت معمولی سا واقعہ ہے، ایک شخص پر قتل کا جرم ثابت ہوا، اسے قتل کی سزا ملی، لیکن اسے سیاست کی عینک سے دیکھئے، یوں ملاحظہ فرمایئے کہ قتل کرنے والا، حاکم قوم کا ایک فرد ہے، اور قتل کیا جانے والا محکوم طبقہ کا ایک مجبور اور بے بس شخص ہے، پھر دیکھئے، کیا یہ واقعہ معمولی نظر آ سکتا ہے؟ انگریزوں نے عرصۂ دراز تک ہندوستان پر حکومت کی، ان کے عہد حکومت میں کیا حال رہا، آخری چند سالوں سے قطع نظر، کیا، یہ واقعہ اور حقیقت نہیں ہے کہ "صاحب" کی ٹھوکر، قلی کی تلی پھاڑ دیتی تھی، صاحب کا سفر جاری رہتا تھا، اور قلی سفر آخرت اختیار کر لیتا تھا، امریکہ سے بڑھ کر، تمدن مآب، انسانیت نواز، اور تہذیب پرست ملک کون ہو گا، کیا وہاں آئے دن، حکمران قوم کے افراد، محکوم حبشیوں کو، ذرا ذرا سی بدگمانیوں پر قتل نہیں کر دیتے؟ اور یہ قتل کے واقعات چوری چھپے نہیں ہوتے، بر سر عام ہوتے ہیں، کیا امریکی حکومت انہیں قتل کی سزا دیتی ہے؟ لیکن آج سے چودہ سو سال قبل جب غیر مسلم، مسلمانوں کے "ذمہ" میں آ جاتے تھے، تو ان کے ساتھ، بالکل مساوات کا برتاؤ کیا جاتا تھا، اور مساوات کا یہ عالم تھا کہ قاتل مسلمان کی گردن بھی سلامت نہیں رہ سکتی تھی،

---

(۱) عبادی ـــــ عیسائیوں کا ایک فرقہ تھا،
(۲) احکام القرآن، ص ۱۶۵

(۲)

ذمّی کے حقوق کا پاس و لحاظ

حضرت عمر کی خدمت میں، اپنی نوعیت کی سب سے پہلی درخواست پیش ہوئی، !

ایک شخص نے، گھوڑوں کی پرورش اور پرداخت کا کام شروع کرنا چاہا اس کام کے لیے اسے زمین کی ضرورت تھی، یہ کام اگرچہ ذاتی حیثیت میں شروع کیا جا رہا تھا، لیکن اس کے فوائد قومی تھے، اس سے "اسٹیٹ کو فائدہ پہونچتا تھا، افراد قوم کی آمدنی اور سلسلہ کارکردگی میں اضافہ ہوتا تھا، آج کل کی اصطلاح میں، یہ خالص قسم کی اقتصادی منصوبہ بندی کا ایک جزو تھا، ایسے مقاصد کے لیے حکومتیں، عطیے دیتی ہیں، ٹیکس معاف کرتی ہیں، محصول میں کمی کرتی ہیں، اور ممکن قسم کی سہولت دیتی ہیں، کیونکہ یہ کام، حوصلہ افزائی کے مستحق ہوتے ہیں، درخواست دھندہ ہر اعتبار سے قابل اعتماد تھا، اس لیے کہ اس کے حالات کا جائزہ لے کر، ابو موسیٰ اشعری نے جو بصرہ کے گورنر تھے، اس کی سفارش کی تھی، سفارش کرنے والا شخص صرف ایک صوبہ کا گورنر ہی نہیں تھا، خود بھی ایک جلیل القدر شخصیت رکھتا تھا، وہ اگر گورنر نہ ہوتا، تو بھی اس کی سفارش بغیر کسی معقول وجہ کے نظر انداز نہیں کی جاسکتی تھی،

حضرت عمر نے، یہ سفارش قبول فرمالی، لیکن چند شرائط کے ساتھ، اور وہ شرائط کیا تھے؟ یہ کہ،

(۱) زمین جزیہ کی نہ ہو،

(۲) اس میں جو پانی جاتا ہو، وہ جزیہ کی زمین سے بہ کر نہ جاتا ہو، !

یعنی قومی منفعت کا ایک کام شروع کرنے کی اجازت بھی اس وقت دی جاسکتی ہے، جب اس سے کسی غیر مسلم کے حقوق پر اثر نہ پڑتا ہو، غیر مسلم رعیت کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہونچتی ہو، اسے کسی جائز شکایت کا موقعہ نہ ملتا ہو، :-

بصرہ میں ایک شخص تھا جسے نافع کہتے تھے، کنیت اس کی عبداللہ تھی یہ پہلا شخص تھا جس نے بصرہ میں گھوڑوں کی پرورش و پرداخت کا کام شروع کیا، وہ مدینہ مبارک گیا اور (حضرت) عمرؓ سے درخواست کی کہ بصرہ میں ایک زمین ہے جو خراجی زمینوں میں سے ہے۔ اگر وہ مجھے عطا کر دی جائے، تو اس سے مسلمانوں کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ ابو موسیٰ نے بھی اس کے حق میں لکھا تھا (حضرت) عمرؓ نے اس کی درخواست منظور کی اور ابو موسیٰ کو لکھ دیا کہ وہ زمین اس کو جاگیر میں دے دی جائے۔

ہم سے سعید بن سلیمان نے کہا اس نے کہا، ہم سے عباد ابن عوام نے کہا اور اس سے عوف الاعرابی نے کہ ——— "میں نے ابو موسیٰ کو (حضرت) عمرؓ کا مکتوب پڑھ کر سنایا۔ اس میں لکھا تھا :-

"ابو عبداللہ نے مجھ سے دجلہ کے کنارے سے ایک زمین مانگی ہے جس میں وہ گھوڑوں کی پرورش و پرداخت کرے گا۔ اگر وہ زمین جزیہ کی نہ ہو اور اس میں جو پانی جاتا ہو وہ بھی جزیہ کی زمین سے بہہ کر نہ جاتا ہو تو وہ اس کو دے دو ———"[1]

(صفر ۱۷ھ)

---

[1] فتوح البلدان دوم ص۳۴۲

محکوم قوم کے افراد کے حقوق کی یہ پاس داری، اور نگہداشت کیا صرف اسلام ہی کا حصہ نہیں ہے؟ کیا اس طرح کی روشن اور تابناک مثالیں کسی اور ملت کی تاریخ میں بھی مل سکتی ہیں؟

(۳)

جان کا بدلہ جان

حق و انصاف کے معاملہ میں، کبھی یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ یہ مسلمان ہے اور وہ غیر مسلم، لہٰذا اسے مخصوص رعایتیں اور سہولتیں دی جائیں، اور اس کی فریاد بھی نہ سنی جائے، اس کی دادرسی نہ ہونے پائے۔ ذمی عیسائیوں کے ایک مقام حیرہ کی داستان سنیئے: —

حضرت عمر کے زمانہ میں قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک ذمی کو قتل کر دیا، آپ نے حکم دیا کہ قاتل مقتول کے ورثا کے حوالہ کر دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ (۱)

(۴)

حضرت عمر کا عہد، پیش قدمی، اقدام، اور فتح و کامرانی کا عہد تھا، اسلام کا قافلہ حجاز کی سرزمین سے نکل کر، دور دور کے گلزاروں، وادیوں، شہروں اور بستیوں تک پہنچ چکا تھا، بیت المال میں، لاکھوں سے متجاوز رقوم جزیہ، اور غنیمت، اور خراج کی مد میں داخل ہوا کرتی تھیں، رقوم وصول کرنے کا کام، عامل اور گورنر کرتے تھے، اور ان کے بارے میں ہر طرح اطمینان کر لیا جاتا تھا کہ یہ بددیانت تو نہیں ہے۔ ظلم و جور سے کام تو نہیں

---

(۱) برہان شرح

لیتے؛ غیر مسلموں پر دستِ تعدّی تو نہیں دراز کرتے؟ اس سلسلہ میں سب سے پہلا اقدام یہ ہوتا تھا:——

شعبی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ جب کسی عامل کو مقرر کرتے تو اس کے مال کی فہرست لکھ لیا کرتے۔ (۱)

یہ احتیاط اس لیے کی جاتی تھی کہ، عامل، یا گورنر کے بارے میں ہمیشہ یہ معلوم ہوتا رہے کہ، یہ کتنے پانی میں ہے؟ جب اس منصب پر فائز ہوا، تو اس کی مالی حالت کیا تھی؟ اور فائز ہونے کے بعد، اس کے مالی وسائل و ذرائع کی کیا کیفیت تھی؟

اس احتیاطی اقدام کے بعد، دوسرا اقدام یہ ہوتا تھا کہ بیت المال میں جو رقم، عامل یا گورنر نے بھیجی ہے یہ کس زمین کی ہے؟ اس کے حصول میں جبر و جور، اور ظلم و زیادتی سے کام تو نہیں لیا گیا ہے؟ جبر و جور، اور ظلم و زیادتی کا جرم عام تھا، اس میں یہ تخصیص نہ تھی کہ اگر مسلمان پر ہو تو قابل تعزیر اور غیر مسلم پر ہو تو ناقابل التفات اس بات میں، مسلم اور غیر مسلم کے حقوق یکساں تھے، چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ:

عمر کے پاس جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس ذمہ دار افسر کوفہ سے، اور دس بصرہ سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور چار مرتبہ شرعی قسم کھا کر آپ کو یقین دلاتے تھے، کہ یہ رقم حلال ہے، کسی مسلمان یا ذمّی کے ساتھ وصول نہیں کی گئی۔ (۲)

آپ نے ملاحظہ فرمایا؛ حضرت عمرؓ ذمی کا بھی اتنا ہی خیال کرتے ہیں

---

(۱) تاریخ الخلفا (سیوطی)، ص ۱۴۷ (۲) کتاب الخراج امام ابو یوسف،

جتنا ایک مسلمان کا، !

(۵)

بحرین کا خراج

حضرت ابو ہریرہ صحابی رسولؐ تھے، ان کی جلالت شان سے کون واقف نہیں؟ خود حضرت عمرؓ بھی ان کے قدر شناس تھے، لیکن سوال، جب معاملہ کا ہو، تو ان سے بھی پوچھ گچھ اس طرح ہوتی تھی، جس طرح دوسروں سے، اور یہ پوچھ گچھ، جس چیز سے تعلق رکھتی تھی وہ صرف ایک ہی بات تھی کہ آیا یہ مال طیّب ہے یا نہیں؟

ملاحظہ ہو: ـــــ

حضرت ابوہرہ نے کہا: ــــ میں بحرین سے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا۔ صلاۃ عشاء کا آخر وقت تھا، ملاقات ہوئی، سلام کیا۔ پہلے انہوں نے لوگوں کا حال پوچھا۔ پھر کہا: ــــ "کیا لائے ہو؟" میں نے کہا: ــــ "پانچ لاکھ لایا ہوں" کہا۔ جانتے بھی ہو کیا کہہ رہے ہو؟" میں نے کہا: "پانچ لاکھ لایا ہوں"۔ کہا "کیا کہہ رہے ہو"؟ میں نے کہا "ایک لاکھ اور ایک لاکھ اور ایک لاکھ ــــ اسی طرح پانچ مرتبہ کہا" "بولے تھکے ہوئے ہو۔ نیند کا خمار ہے۔ اپنے بال بچوں میں جاؤ اور سو رہو۔ صبح کو آنا ــــ "ابوہرہ کہتے ہیں، صبح ہوتے ہی میں ان کے پاس گیا۔ پوچھا۔ "کیا لائے ہو ــــ؟" میں نے کہا۔ "پانچ لاکھ" پوچھا "کیا طیّب ہیں؟" میں نے کہا۔ "ہاں" (۱)

---

(۱) فتوح البلدان، دوم، ص ۲۲۰

رقم بہت زیادہ تھی، یہ ابتدا کا زمانہ تھا، اتنی بڑی رقم جو حضرت عمرؓ کو یقین نہیں آیا، بار بار پوچھا، رقم کتنی ہے؟ پھر موقعہ دیا کہ رات گذار کر صبح ملو، صبح پھر جب وہی عدد دہرایا گیا، اور یقین ہو گیا کہ، ہاں رقم واقعی پانچ لاکھ ہے، تو پھر، استفسار فرمایا کہ آیا یہ رقم ——————

"طیّب بھی ہے؟"

یعنی کسی مسلم اور ذمّی پر جبر کر کے تو نہیں حاصل کی گئی ہے؟ جب یہ یقین ہو گیا، تب وہ بیت المال میں داخل کی گئی۔

(۶)

شرائط صلح،!

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں، اسلامی عساکر و جیوش بلاد و اصقاع میں پھیل گئے دشمن کا ہر میدان میں استقبال کیا گیا، اور یہی دشمن جب مجبور ہو گیا، اس میں تاب جنگ نہ رہی، اور جنگ جاری رکھنا اس کے لیے ناممکن ہو گیا، اور اس نے مجبوراً صلح و سلام کی سلسلہ جنبانی کی، تو اس کی مجبوری سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ اس کے پیش کیے ہوئے شرائط پر صلح کر لی،:

المغیرہؓ بن شعبہ عمرؓ بن الخطاب کی جانب سے الکوفہ کے والی ہو کے آئے ان کے ساتھ حذیفہ بن ایمان کے نام آذربائیجان کی ولایت کا پروانہ تھا۔ المغیرہ نے وہ پروانہ حذیفہ کے پاس بھیج دیا۔ حذیفہ اس وقت نہاوند میں یا اس کے قریب تھے۔ حذیفہ وہاں سے چلکر اردبیل آئے یہ آذربائیجان کا مستقر حکومت تھا۔ مرزبان یہیں رہتا تھا اور اس کے لیے یہاں خراج کی آمدنی وصول کی جاتی تھی، مرزبان نے ان سے جنگ کرنے

کے لیے باجروان. میمذ- النزیر، سراۃ الشغیر اور المیانج وغیرہ کے باشندوں سے سپاہی جمع کیے، چند روز مسلمانوں سے شدید جنگ کی پھر تمام اہل آذربائیجان کی طرف سے آٹھ (اوقیہ) وزن کے آٹھ لاکھ درہم پر اس شرط سے صلح کرلی کہ ان میں سے کسی کو قتل نہ کیا جائے، جنگی قیدی نہ بنایا جائے ان کا کوئی آتشکدہ منہدم نہ کیا جائے اور بلاد سبلان وسیلان وساترو دان کے کردوں کے مقابلے میں اُنہیں غیر محفوظ نہ چھوڑا جائے اور خاصتہً اہلِ الشیز کو ان کی عیدوں میں زفن (رقص) سے اور (اس موقع پر) جو اعمال وہ کرتے ہیں ان سے نہ روکا جائے، (۱)

کیا یہ رعائتیں حد درجہ فراخ دلانہ، عادلانہ، اور شریفانہ نہیں ہیں، ؟

(۷)
فتح دمشق

دمشق کی فتح، ایک اہم واقعہ ہے، اس فتح نے، شام پر مسلمانوں کے قبضہ اور استیلا کو، مستقل حیثیت دے دی، عیسائیوں نے، بڑی سخت مزاحمت کی، اُنہوں نے دفاع میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کردیا، سر دھڑ کی بازی لگادی، لیکن قسمت کے فیصلہ کو کوئی نہیں بدل سکتا، خدا کی مرضی ہر حالت میں پوری ہو کر رہتی ہے - اور خدا کی مرضی بھی تھی کہ "خیر امت" کو اس کے خیر و احسان کا صلہ دیا جائے، اور وہ صلہ فتح دمشق، اور دوسرے فتوحات

(۱) فتوح البلدان ، دوم،

کی صورت میں مسلمانوں کو مل کر رہا،

لیکن دمشق کی فتح، بڑے "ڈرامیٹک" انداز میں ہوئی، اس کے ایک دروازہ سے خالدؓ بن ولید۔ ایک کشورکشا اور فاتح کی حیثیت سے، دشمن کے سر کاٹتے، اس کی مزاحمت کو کچلتے، اس کی دفاع کو پامال کرتے، اور اس کی آزادی کو غلامی سے بدلتے ہوئے داخل ہوتے، اور دوسرے دروازہ سے، وہ مسلمان لشکر داخل ہوا جس نے عیسائیوں کی درخواست اماں، قبول کر لی تھی، حالانکہ یہ وہ عیسائی تھے، جنہوں نے آخر وقت تک لڑنے کا عہد کیا تھا، اور مسلمانوں سے اماں نہ لینے کا فیصلہ کر لیا تھا، یہ دونوں مسلمان فوجیں — لڑکر بہ زور قوت داخل ہونے والی، اور درخواست صلح قبول کرکے، امن کا پرچم ہلاتی ہوئی — داخل شہر ہوئیں، تو شہر دو حصوں میں بٹ گیا، صلح کا پرچم دیکھ کر، لڑنے والی فوجوں نے قتل اور خوں ریزی کا سلسلہ فوراً بند کر دیا، اور سارے شہر کو، حلقۂ امن وصلح میں داخل کر لیا، حالانکہ از روئے انصاف، عیسائیوں کا آخر وقت تک لڑنے والا حصہ، جسے بہ زور قوت مغلوب کیا گیا تھا، کوئی استحقاق اس رعایت کا نہیں رکھتا تھا، لیکن رحمت اللعالمین کی امت، جب رحمت کا مظاہرہ کرتی ہے، تو وہ عام ہوتا ہے، خاص نہیں ہوتا، وہ جود وعطا کی بارش بن کر آتی ہے، اور بارش کے قطرے، ہر طرف گرتے ہیں، نشیب پر بھی فراز پر بھی،

آپ اب یہ داستان تاریخ کی زبان سے سنیں، :

اسی عرصے میں اہل دمشق کے پادری کے یہاں لڑکا پیدا ہوا، اس خوشی میں اس نے سب لوگوں کی دعوت کی رومیوں نے خوب

کھایا اور پیا یہاں تک کہ وہ لوگ اپنی اپنی متعینہ جگہ کی نگرانی سے بالکل بے خبر ہو گئے مسلمانوں میں خالدؓ کے سوا اور سب لوگ رومیوں کی اس حالت سے ناواقف تھے، خالدؓ کی کیفیت یہ تھی کہ نہ خود سوتے اور نہ کسی کو سونے دیتے تھے، ان کو رومیوں کی سب باتوں کا علم ہوتا تھا اُن کی آنکھیں بہت تیز تھیں وہ اپنی سمت میں ہمیشہ مصروف رہتے چنانچہ آپ نے کچھ رسیاں اور ڈوریاں سیڑھیوں اور کمندوں کی شکل کی تیار کیں، اور دعوت کے روز شام ہوتے ہی خالدؓ اور ان کے سپاہیوں نے پیش قدمی کی سب سے آگے خود خالدؓ اور قعقاع بن عمرو اور مذعور بن عدی اور اُن جیسے اور چند اصحاب روانہ ہوئے اور اپنے لوگوں کو یہ ہدایت کر گئے کہ جب شہر پناہ سے تم لوگ ہماری تکبیروں کی آواز یں سنو تو فوراً ہماری طرف چڑھ آؤ اور دروازے پر حملہ کر دو۔

جب خالدؓ اور اُن کے رفیق اپنے قریب کے دروازے کے پاس پہنچ گئے تو ان لوگوں نے وہ ڈوریاں شہر پناہ کے کنگروں پر پھینک دیں اس وقت اُن کی کمروں پر وہ مشکیں بندھی ہوئی تھیں جن کے ذریعے سے انہوں نے خندق کو تیر کر پار کیا تھا، جب ڈوریاں ان کنگروں میں بخوبی اٹک گئیں تو قعقاع اور مذعور ان کو پکڑ کر اوپر چڑھ گئے اور ان دونوں نے باقی تمام رسیاں اور ڈوریاں اوپر کنگروں سے باندھ دیں۔

شہر پناہ کے جس حصّے پر مسلمانوں نے یورش کی تھی وہ نہایت مستحکم اور نا قابلِ تسخیر تھا خالدؓ کے تمام ساتھی کچھ اوپر چڑھ گئے اور کچھ دروازے پر پہنچ گئے جب فصیل پر سب لوگ باطمینان چڑھ گئے تو خالدؓ نے اسی مقام پر دوسرے چڑھنے والوں کی حفاظت کے لیے کچھ محافظ چھوڑ دیئے اور خود اپنی جماعت کو لیکر نیچے اُترے اور اُوپر والوں کو تکبیر کہنے کا حکم دیا ان کی تکبیروں کی آوازیں سنتے ہی کچھ مسلمان دروازے کی طرف دوڑے اور کچھ ان رسیوں کی طرف جھپٹ پڑے اور چھلانگیں مارتے ہوئے اوپر چڑھ گئے خالدؓ نے اپنے قریب کے دشمنوں پر حملہ کر دیا اور ان کو وہیں سلا دیا اس کے بعد دروازے پر پہنچ کر دربانوں کا خاتمہ کر دیا۔

اہلِ شہر اور دوسرے تمام لوگوں پر پریشانی اور بدحواسی کی کیفیت طاری ہوگئی، وہ سب اپنی اپنی جگہوں پر پہنچے ان کی کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ واقعہ کیا ہے، مسلمان ہر طرف اپنے اپنے پاس والوں کو تہ تیغ کر رہے تھے، خالدؓ اور ان کے رفیقوں نے دروازے کی زنجیروں کو تلواریں مار مار کر کاٹ دیا اور دروازے کو اسلامی لشکر کے لیے کھول دیا مسلمان اندر گھس گئے خالدؓ کے دروازے کے پاس ایک بھی جنگجو ایسا نہ رہا، جس کو قتل نہ کر دیا گیا ہو۔

جب خالدؓ کو اس حملے میں خاطر خواہ کامیابی ہوگئی اور وہ اپنی طرف کے دروازے پر بزور قابض ہوگئے تو اس طرف

کے دشمن بھاگ کر دوسرے دروازوں کی طرف پناہ لینے کے لیے دوڑے، اُن دروازوں کی طرف کے دشمنوں کو مسلمانوں نے نصف نصف تقسیم پر مصالحت کی دعوت دی تھی مگر اس تجویز کو انہوں نے مسترد کر دیا تھا اور دفاع پر اڑے رہے تھے، مگر جب خالدؓ نے اُن پر اچانک حملہ کر دیا تو وہ لوگ فوراً اپنی طرف کے مسلمانوں سے صلح کے خواستگار ہو گئے۔ مسلمانوں نے اس کو منظور کر لیا چنانچہ رومیوں نے اندر سے دروازے کھول دیے اور مسلمانوں سے کہا جلد اندر آؤ اور ہم کو اُس دروازے کے حملہ آوروں سے بچاؤ، اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان تمام دروازوں کی طرف کے مسلمان صلح کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے اور خالدؓ اپنے دروازے سے بہ جبر فتح کرتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے خالدؓ اور دوسرے اسلامی امرا وسط شہر میں اس طرح ایک دوسرے سے ملے کہ ایک جماعت قتل اور غارتگری میں مصروف تھی، اور دوسری جماعت صلح اور امن وہی کے ساتھ داخل ہو رہی تھی مگر جب صلح ہو گئی تو مسلمانوں نے خالدؓ کی طرف کے حصے کو بھی صلح کے حکم میں شامل کر دیا۔ (۱)

(۴)

رحم و کرم کا مظاہرہ

فتح و کامیابی، اور ہجوم و اقدام کے عالم میں بھی، کافروں، اور غیر مسلموں کے ساتھ، رحم و کرم کا برتاؤ کیا جاتا تھا، اور انہیں زیادہ سے

(۱) طبری، ج ۱ ح ۴ ص ۲۱۴۵-۴۶

زیادہ رعائتیں اور سہولتیں دی جاتی تھیں، حالانکہ دشمن تو اپنی ذمہ داریوں کو خود محسوس کرتے ہیں دوسروں کی تقلید نہیں کرتے، اور اگر کرتے ہیں تو غلط امور میں نہیں، :—

ابو عبیدہ نے قورس کے قصد سے کوچ کیا اور اپنے آگے آگے عیاض کو روانہ کیا، یہاں کے راہبوں میں سے ایک راہب ان سے ملا اور اس نے اہلِ قورس کی جانب سے صلح کی درخواست کی۔ عیاض نے اس کو ابو عبیدہ کے پاس بھیجا، وہ اس وقت جبرین و تل اعزاز[1] کے درمیان تھے، انہوں نے اس سے صلح کرلی، اور قورس آکر اس کے باشندوں سے عہد پیمان کیا، اور انہیں وہی عطا کیا جو اہلِ انطاکیہ کو عطا کیا تھا، اور راہب کو اس کے گاؤں شرقینا کے لیے ایک وثیقہ لکھ دیا، پھر انہوں نے اپنے رسالے پھیلا دیے، جنہوں نے نقابلس کی آخری حدوں تک ارض قورس فتح کرلی۔ (۲)

اس معاہدہ کی روح، صرف فراخ دلی، اور رواداری تھی، ورنہ مجبوروں کے ساتھ کون معاہدہ کرتا، اور سہولتیں دیتا ہے؟

(۹)

اہلِ نجران کی جلا وطنی

”جزیرۃ العرب میں، دو مذہب باقی نہیں رہ سکتے!“ یہ ارشادِ رسول[1] تھا، یعنی، جزیرۃ العرب میں اب کفر اور شرک ساتھ ساتھ، پہلو بہ پہلو نہیں

---

[1] ابو القاسم ص ۲۳۲ :۔ تل اعزاز

(۲) فتوح البلدان دوم، ص ۲۴۱

رہ سکتے ،

اب سوال پیدا ہوا کہ نجران کے غیر مسلموں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ یہ تو طے تھا کہ اُنہیں، اپنے مذہب پر قائم رہنے کی صورت میں، ترک وطن کرنا پڑے گا، کیونکہ اسلام کی رو سے کسی کو تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، لیکن ان نجرانی غیر مسلموں میں، دو طرح کے لوگ تھے، ایک وہ جن سے کسی طرح کا معاہدہ نہیں تھا، اور یہ خود اس وقت پا بہ رکاب تھے، دوسرے وہ، جو مسلمانوں کے "ذمہ" میں آ چکے تھے، اور مسلمان، ان کے جان و مال کے ذمہ دار بن چکے تھے،

اس اہم مسئلہ کا فیصلہ حضرت عمر کو کرنا تھا، اور اُنہیں اپنے اس اقدام کی تمام ذمہ داری کو پیش نظر رکھنا تھا، انہوں نے اپنی اس ذمہ داری کو کس خوبی کے ساتھ انجام دیا، ملاحظہ فرمایئے :—

سالم کی روایت ہے کہ عمرؓ نے سب سے پہلے جو فوج جنگ کیلئے روانہ کی وہ ابو علبید کی سرکردگی میں تھی اُن کے بعد یعلی بن امیہ کو یمن کی طرف روانہ کیا اور ان کو حکم دیا کہ اہل نجران کو جلا وطن کر دیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علالت کے زمانے میں ابو بکرؓ سے اور ابو بکرؓ نے اپنی علالت کے زمانے میں اس کی وصیت فرمائی تھی، عمرؓ نے یعلی بن امیہ سے فرمایا تھا کہ تم ان لوگوں کے پاس جاؤ اُن کو ان کے دین کے بارے میں پریشان نہ کرو بلکہ ان کو مہلت دو اُن میں سے جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں اُن کو جلا وطن کر دو اور جو لوگ اسلام قبول کر لیں اُن کو ان کے وطن میں مقیم رہنے دو اور جلا وطنی کے بعد اس

سرزمین کو ان کے وجود سے بالکل صاف کردو اور ان سے کہدو کہ تم کو دوسرے شہروں میں جانے کا اختیار ہے اور ان کو بتلادو کہ ہم تم کو اس لیے جلا وطن کر رہے ہیں کہ خدا اور رسولؐ کا حکم ہے کہ جزیرۃ العرب میں دو مذہب باقی نہ رکھے جائیں۔ اس لیے جو شخص اپنے مذہب پر رہنا چاہتا ہے وہ یہاں سے نکل جائے چونکہ وہ لوگ ہمارے ذمی ہیں اور خدا رسولؐ کے حکم مطابق ہم پر ان کا حق واجب ہے اس لیے ہم زمین کے عوض ان کو زمین عطا کریں گے۔ (۱)

تاریخ ایک سنجیدہ، علمی موضوع ہے، اس میں جذبات کو دخل نہیں ہوتا اس میں کامل غیر جانبداری کے ساتھ کام لیا جاتا ہے، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے دکھایا جاتا ہے، مورخ کے لیے یہ پابندی ہے کہ اپنی قوم ملک، ملت، مذہب کی تاریخ میں بھی وہ تحریف سے کام نہ لے، جانبداری کا مظاہرہ نہ کرے، تعصب اور ناروا داری کا مظاہرہ نہ کرے، ہم نے ان اصولوں کو قدم قدم پر پیش نظر رکھا ہے، اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن تقابل بھی تاریخ ہی کا ایک حصہ ہے، ایک قوم کی جب ہم تاریخ بیان کرتے ہیں، اس کے کارنامے پیش کرتے ہیں تو کسی طرح بھی یہ ممکن نہیں کہ دوسروں سے ان کارناموں کا مقابلہ نہ کیا جائے،

نجران کے غیر مسلموں کو جب جلا وطن کیا گیا، تو بلاشبہ بنیادی عنصر "مذہب ہی تھا، اور یہ جلا وطنی کا اصول عام تھا، عیسائی اپنے ہاں سے جب مسلمانوں کو نکالتے تھے۔ تو مذہب ہی کی بنا پر، اور ان کا یہ اخراج بہ یک

---

(۱) طبری، ج ا ح ۳ ص ۲۵۵

بینی و وطن گوش ہوتا تھا، ان کی ہر چیز بحق سرکار ضبط کر لی جاتی تھی، مکان و دوکان، جائداد، جاگیر، کھیت، اور اس ضبطی کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا، لیکن اسلام نے یہ نہیں کیا، اس نے جلا وطنی کے سلسلہ میں سہولتیں دیں، اسباب منقولہ لے جانے کی اجازت دی، اور، اہل ذمہ، یعنی مسلمانوں کے ذمہ میں آئے ہوئے غیر مسلموں کو ان کی مالیت کا معاوضہ بھی دیا،

یہ واقعہ تو آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے کا ہے،

لیکن ۱۹۴۷ء میں، جب سیکولر ہندوستان کے ایک صوبہ — مشرقی پنجاب — سے مسلمانوں کا جبری انخلا عمل میں آیا، تو ان کے ساتھ، کیا برتاؤ ہوا؟ کیا وہ اپنے ساتھ کچھ بھی لا سکے، کیا انہیں ان کی اس حکومت نے جس کی مسلمان رعایا تھے کوئی معاوضہ دیا؟ اسے بھی چھوڑ دیجئے، جو مسلمان ہندوستان ہی میں رہے ان کے ساتھ کیا کیا گیا؟ سارے ہندوستان کو چھوڑ دیجئے، دارالحکومت دہلی کو ہی" کیا آج بھی دہلی شہر میں ایسے کافی مسلمان نہیں ہیں، جن کے مکان، قرول باغ سبزی منڈی اور دوسرے ہندو علاقوں میں ہیں، لیکن نہ وہ ان مکانوں میں رہ سکتے ہیں نہ ان کا کرایہ وصول کر سکتے ہیں، نہ انہیں فروخت کر سکتے ہیں، کیا سیکولر حکومت کے گن اب بھی مذہبی حکومت کے مقابلہ میں گائے جائیں گے؟ کیا اب بھی یہ کہا جائے گا، کہ مذہب کشت و خون سکھاتا ہے، اور قومیت امن دولت تقسیم کرتی ہے؟

گالی دینے والا پادری

حضرت عمرؓ ہی کے دور کا ایک اہم، اور ناقابل فراموش واقعہ، ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں، اس واقعہ سے اندازہ ہوگا کہ دریدہ دامن گستاخ، بدتمیز

اور شورش پسند دشمنوں کے ساتھ بھی مسلمانوں کا سلوک ٹھیک ، اور شریفانہ ورواداراتہ ہی رہتا تھا ، وہ ظلم و زیادتی سے ہر حال میں گریز کرتے تھے ، وہ واقعہ یہ ہے :-

حضرت عمر رض بن الخطاب نے عیاض کو لکھا کہ عمیر بن سعد کو عین الوردہ بھیجو، انہوں نے بھیج دیا، اور ان کے آگے طلائع بھیجے ، جنہوں نے کسانوں کی ایک جماعت پر چھاپا مارا جس میں دشمن کے مویشی غنیمت میں ان کے ہاتھ لگے، اہل شہر نے دروازے بند کر لیے اور ان پر عسرادے[1] نصب کیے اور اس سے مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسائے، جن کے صدمات سے بہت سے مسلمان شہید ہو گئے یہ دیکھ کر ان کے بطریقوں میں سے ایک بطریق سامنے آیا اور اس نے مسلمانوں کو گالی دے کر کہا " تمہیں اب تک جن سے سابقہ پڑا ہے ہم ان جیسے نہیں ہیں "

لیکن اس دم خم کا نتیجہ کیا نکلا ؟

ان عیسائیوں کے حصہ میں شکست آئی ، اور شکست کے بعد کیا ہوا ؟ کیا مسلمانوں نے ان پر کوئی زیادتی کی ؟ نہیں یہ کچھ نہیں ہوا ، اور بالآخر ،

" یہ شہر بھی صلح پر فتح کر لیا گیا ، (۲) "

ان لوگوں کو کوئی سزا نہیں دی گئی ، ان سے کوئی باز پرس نہیں کی گئی ، ان سے کسی طرح کا انتقام نہیں لیا گیا ، ان کے ساتھ رواداراتہ برتاؤ کیا گیا ۔ ان کو یہ عزت دی گئی ، کہ ان سے صلح کر لی گئی ، اور ان میں جس نے چاہا ، اپنے مذہب

---

(۱) عسرادہ ، منجنیق سے چھوٹا ہوتا ہے ، اس سے سنگباری کی جاتی ہے ،

(۲) فتوح البلدان دوم ، ص۲۹۲

پر قائم رہا، جس کی مرضی ہوئی وہ مسلمانوں کے ذمہ میں آگیا،

حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں ذمّی اور معاہد کی بڑی حیثیت ہے، عہد رسالت مآب ؐ اور عہد خلافت راشدہ میں ذمیوں اور غیر مسلموں کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا، وہی دلیل راہ کے طور پر، فقہا، اور بعد کے ملوک و سلاطین کے پیش نظر رہا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے معاملات و مسائل میں یعنی فقہی مسالک خواہ کتنے ہی سخت اور متشددانہ کیوں نہ ہو، لیکن جہاں تک غیر مسلموں اور ذمیوں کا تعلق ہے، اُنہیں کہیں بھی کبھی ملک سے بھی، کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا ہے ان کے حقوق بڑی فراخ دلی کے ساتھ تسلیم کیے گئے ہیں،

چنانچہ حربیوں کی امان کے سلسلہ میں یہ تصریحات قابل غور ہیں:—

ومن قال لحربی قد اجرتک او امنتک اولا باس علیک ونحو هذا فقد امنه ویصح الامان من کل مسلم عاقل مختار حرًّا کان اوعبدا، رجلا کان اوامرءة (۱)	اور جو شخص کسی حربی سے یہ کہہ دے کہ میں نے تجھے پناہ دی، یا میں نے تجھے امان دی، "یا کوئی پرواہ نہ کر،" یا اسی طرح کے الفاظ تھے، تو وہ حربی مامون تسلیم کرلیا جائے گا، امان، ہر عاقل، مختار، مسلمان حربی کو دے سکتا ہے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو، یا عورت! (۱)

(۱۰)
کیا اب ایسا ہو سکتا ہے؟

ذرا تصور کیجئے، عہد تہذیب، حضارت کی دوسری جنگ عظیم میں، اگر

---

(۱) عمدة الفقه (ابن قدامه) ص۱۵۷ مطبوعہ مصر

کسی طرح، ہٹلر، انگریزوں کے ہاتھ پڑ جاتا، یا مسولینی، حبش کے ہاتھ آ جاتا، یا سٹالن ہٹلر کے قبضہ میں آ جاتا، یا ٹوجو، روزویلٹ کے ہتھے چڑھ جاتا، یا اس کی برعکس صورت ہوتی، تو کیا ان میں سے کوئی بھی سلامت رہ سکتا تھا؟ کسی کی جان بھی محفوظ رہ سکتی تھی، ایسے تمام لوگ جو غلط حب وطن کے باعث دوسری قوموں کے دشمن بن جاتے ہیں، جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں، دُنیا کے امن و امان پر اثر انداز ہوتے ہیں ان کے بارے میں ایک عام اصول اور دستور یہ ہے کہ فاتح قومیں انہیں اپنی بنائی ہوئی عدالت میں پیش کرتی ہیں اور عبرت انگیز سزا دیتی ہیں، چنانچہ دیکھ لیں جنگ عظیم ثانی کے بعد، جو جنگی مجرم " ہاتھ آئے ان کے ساتھ کیا برتاؤ ہوا؟ ان میں سے کافی لوگ، موت کے گھاٹ اُتر گئے، جو بچ گئے، وہ آج تک تعذیب وعقوبت کے شکار بنائے جا رہے ہیں، ——— !

لیکن اسلام کا نقطۂ نظر دوسرا ہے وہ خاطی کو جب پکڑ لیتا ہے، تو اسے معاف کر دیتا ہے، اس کے ساتھ رعائیتیں کرتا ہے، اس کی قدر و منزلت کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ دل سے دوست بن جاتا ہے، اور پھر کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ دوبارہ لڑائی، اور دشمنی کا نام لے، اور اگر وہ ایسا کرتا بھی ہے تو اس کی قوم اس کا ساتھ نہیں دیتی، وہ احسان کا بدلہ برائی سے کم ہی دیتا ہے،

چنانچہ فتح مکہ کے بعد، جبکہ مکہ کے لوگ سہمے ہوئے تھے، لرز رہے تھے، اپنے انجام سے خائف اور ترساں تھے، اپنی ان زیادتیوں کو یاد کر کے سراسیمہ اور مضطرب تھے جو انہوں نے مسلمانوں پر روا رکھی تھیں، اور جن کی سزا پانے کا اب وقت آگیا تھا، لیکن رسول اللہ ؐ کے ایک جملہ نے

ان لوگوں کو جہنم سے جنت میں پہنچا دیا، آپ نے فرمایا،

" فتح الطلقاء "

تم آزاد ہو،

ارشاد ہوا،

آج کے دن تمہارے کسی جرم کی پاداش تم پر نہیں ہے"!

اسی نمونہ کو ہمیشہ مسلمانوں نے اپنے اقتدار و اختیار میں پیش نظر رکھا، چنانچہ جب فارس میں مسلمان فوجیں دشمن سے لڑ رہی تھیں، اور رستم کے ایجنٹوں نے سارے ایران کو، مسلمانوں کے خلاف متحد اور منظم کر دیا تھا، عین زمانہ جنگ میں، ایرانیوں کا ایک شعدہ پشت سردار، جو اپنی حیثیت اور شخصیت کے لحاظ سے، اپنے رقبہ کا گویا بادشاہ تھا، مسلمانوں کے ہاتھ پڑ گیا، آپ نے دیکھا اس کا انجام کیا ہوا؟ مسلمانوں کے ہاتھ پڑنے کے بعد، اس پر کیا گذری؟ اور مسلمانوں نے اس کے ساتھ کیا کیا؟

جابان تیزی سے بڑھا اور نمارق میں فروکش ہوا، یہ لوگ حملے کی ٹھان چکے تھے، نرسی بڑھ کر زندورد میں اترا، اور مندیول کی آئی ہوئی فوجیں فرات کے بالائی حصے سے چلکر زیرین فرات آگئیں، مثنیٰ اپنی ایک جماعت کو لے کر خفان میں اترنے کے ارادے سے نکلے تاکہ اُن کے عقب میں دشمن کوئی ایسی کاروائی نہ کر سکے جو ان کے حق میں مضر ہو، اس عرصے میں ابو عبید بھی اُن کے پاس آ گئے فوج کے سپہ سالار ابو عبید تھے ابو عبید نے اپنے ساتھیوں کے جمع ہونے تک خفان میں قیام کیا،

ادھر جابان کے پاس بھی بے شمار لوگ جمع ہو گئے۔

جب ابو عبید کے پاس فوجیں اور سواریاں جمع ہو گئیں تو انہوں نے اپنے لشکر کی صف آرائی کی، مثنیٰ کو سواروں پر مامور کیا اور میمنے پر والق بن جیدارہ کو اور میسرے پر عمرو بن الہیثم بن الصلت بن حبیب السلمی کو مامور کیا، جابان کے میمنے اور میسرے پر جشنس ماہ اور مردانشاہ تھے۔ اسلامی لشکر نے نمارق میں جابان پر حملہ کیا بڑی شدت کی جنگ ہوئی خدا نے اہل فارس کو شکست دی، جابان گرفتار ہوا اس کو مطر بن فضۃ التیمی نے گرفتار کیا تھا، اور مردانشاہ بھی گرفتار ہوا اس کو اکتل بن شماخ العکلی نے گرفتار کیا تھا، اکتل نے تو مردانشاہ کی گردن مار دی مگر مطر بن فضہ کا قصہ یہ ہوا کہ جابان نے ان کو دھوکا دیا اور اُن کو کچھ دے کر بھاگ گیا، مگر مسلمانوں نے اس کو پکڑ لیا ابو عبید کے سامنے پیش کر کے کہا یہ شخص بادشاہ ہے اُنہوں نے ابو عبید کو مشورہ دیا کہ اس کو قتل کر دو، مگر ابو عبید نے کہا کہ میں اس کو قتل کرتے ہوئے خدا سے ڈرتا ہوں کیوں کہ ایک مسلمان اس کو پناہ دے چکا ہے اور تمام مسلمان محبت اور امداد میں ایک جسم کی مانند ہیں جو بات ان میں سے کسی ایک پر واجب ہوتی ہے، وہ سب پر واجب ہوتی ہے، لوگوں نے کہا کہ وہ بادشاہ ہے ابو عبید نے کہا ہوا کرے میں بدعہدی ہرگز نہیں کروں گا، چنانچہ اس کو چھوڑ دیا گیا۔ (۱)

---

(۱) طبری، ج ۱ ح ۴ ص ۲۵۸

غور فرمایئے، نہ صرف یہ کہ جابان کو قتل نہیں کیا گیا، بلکہ اسے پروانۂ رہائی عطا کر دیا گیا، خدارا ہمیں بتایا جائے، کیا آج بھی دنیا میں ایسا ہو سکتا ہے؟ امریکہ، برطانیہ، فرانس، کوئی بھی اس کے لیے تیار ہے؟

شاید اسی قسم کی مثالیں تھیں جنہیں پیش نظر رکھ کر، فقہ کو بھی اس کی تصریح کرنی پڑی کہ مقاتلہ اسی سے جائز ہے جو برسرپیکار ہو، یہ تصریح اسلام کی روح کا عین مقتضا اور منشا ہے، ذیل کی تصریح ہمارے دعوے کی بہترین دلیل ہے :-

لا یقتل منہم صبی ولا مجنون ولا امرأۃ ولا راھب ولا شیخ فان ولا زمن . ولا اعمیٰ ولا من راٰھم الا ان یقاتلوا	(جنگ آزما لوگوں میں سے) کوئی لڑکا قتل نہ کیا جائے گا، نہ پاگل کو قتل کیا جائے گا، نہ عورت، نہ راہب، نہ شیخ فانی، نہ کہن سال بیمار، نہ اندھا نہ وہ شخص جسے (مسلمانوں سے) مقاتلہ کرتے نہ دیکھا گیا ہو،

(۱۱)
بنو تغلب نصاریٰ تھے یا مشرک

بنو تغلب، مذہب کے اعتبار سے کچھ ڈھلمل یقین قسم کے لوگ تھے، یہ تمام نصاریٰ تھے، لیکن درحقیقت نصاریٰ نہیں تھے، بت پرست تھے لیکن بت پرست بھی عجیب قسم کے تھے، یہ لوگ، نسباً، عرب تھے، اور ان میں عربوں کے وہ تمام خصائص موجود تھے، جو، قومی اور ملی طور پر عربوں میں پائے جاتے تھے، جرأت، —— ، خودداری، خودپسندی

شجاعت، آن، جوش، ہر چیز، حضرت عمرؓ نے ان کے ساتھ وُہی سلوک کرنا چاہا، جو ذمیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، لیکن، وُہ بھلا جزیہ کیا دیتے؛ بھاگ کھڑے ہوتے، سفارش کی گئی کہ ان سے جزیہ نہ لیں، صدقہ لیں۔ خواہ جزیہ سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، حضرت عمرؓ نے یہ بات مان لی:—

ہم سے شیبان بن فروخ نے کہا، ان سے ابوعوانہ نے، ان سے المغیرہ نے اور ان سے السفاح نے الشیبانی نے کہ :۔ (حضرت) عمرؓ بن الخطاب نے نصارائے بنی تغلب سے جزیہ لینے کا ارادہ کیا، مگر وہ بھاگ گئے اور ان کی ایک جماعت کسی دور دراز ناحیہ میں چلی گئی، اس پر النعمان بن زرعہ یا زرعہ بن النعمان نے (حضرت عمرؓ سے) کہا :۔" میں تم سے اللہ کے نام پر بنی تغلب کے لیے درخواست کرتا ہوں، یہ عرب کی ایک قوم ہے جو جزیہ سے بالاتر ہے اور نہایت جنگ آزما ہے، اس کو (اپنے سے بگاڑ کر) اپنے دشمن کو اپنے مقابلہ میں قوی نہ بناؤ —" (حضرت عمرؓ نے، ان کو بلا بھیجا اور ان پر مسلمانوں سے دگنا صدقہ مقرر کر دیا۔

ہم سے شیبان نے کہا۔ ان سے عبدالعزیز بن مسلم نے ان سے لیث نے، ان سے ایک اور نے، ان سے سعید بن جبیر نے ان سے ابن عباس نے کہ :—" نہ تو نصارائے بنی تغلب کا ذبیحہ کھایا جاتا ہے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے، کیونکہ نہ وُہ ہم میں سے ہیں اور نہ اہل کتاب میں سے، (۱)

(۱) فتوح البلدان دوم، ص ۳۰۳، ۳۰۲

غرض اس مشکوک حیثیت کے باوجود حضرت عمرؓ نے ان کے جذبات کی رعایت ملحوظ رکھی، اور انہیں جزیہ سے مستثنا کر دیا،

(۱۲)

خراج میں اضافہ نہ کرنے کا عہد،

ایک دُوسرا واقعہ ملاحظہ ہو:

مجھ سے بکر بن الہیثم نے کہا ان سے عبداللہ بن صالح نے، ان سے اللیث بن سعد نے، ان سے یزید بن ابی علاقہ نے اور ان سے عقبہ بن عامر الجہنی نے کہا — اہلِ مصر کے لیے عہد و پیمان تھا، عمروؓ نے انہیں یہ نوشتہ دیا تھا کہ "تمہارے اموال اور تمہارے خون اور تمہاری عورتیں اور تمہاری اولادیں امان میں ہیں، ان میں سے ایک بھی فروخت نہیں کیا جائے گا، اور یہ کہ تم سے تمہارے دشمن کا خوف دُور کیا جائے گا" اور ان پر خراج (اس شرط کے ساتھ) لگایا کہ اس میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ عقبہ کہتا ہے :- میں اس کا شاہد ہوں - (۱)

غرض، ذمیوں کے ساتھ، معاہدین کے ساتھ، اور غیر مسلموں کے ساتھ ہر موقعہ پر رعایت ہی کی گئی، انہیں کبھی ہدفِ ستم نہیں بنایا گیا، اور اسلام میں اس طرح کی ان گنت مثالیں ہیں،

(۱۳)

غیر مسلم عرب سے تعاون

اہلِ فارس کی جنگ میں، یا کسی دُوسری جنگ میں، اگر کوئی عرب اپنے

---

(۱) فتوح البلدان دوم، ص ۲۲۷

دین پر قائم رہتے ہوئے مسلمانوں کی مدد کرنا چاہتا تھا، تو مسلمان اس امداد کی پوری پوری قدر کرتے تھے،:-

جب لڑائی طول پکڑ گئی اور بہت سخت ہو گئی تو مثنیٰ نے انس بن ہلال کے پاس جا کر کہا کہ اے انس اگرچہ تم ہمارے دین پر نہیں ہو مگر بہادر عرب ہو، جب تم مجھ کو مہران پر حملہ کرتے ہوئے دیکھو تو تم بھی میرے ساتھ حملہ کرنا، اور یہی بات مثنیٰ نے ابن مردیٰ الفہر سے کہی ان دونوں نے اس بات کو منظور کیا، مثنیٰ نے مہران پر حملہ کر کے اس کو سامنے سے ہٹا دیا اور اس کے میمنے میں گھس گئے اور اُن کے ساتھی مشرکین کو لپٹ پڑے اور دونوں طرف کی قلب کی فوجیں ایک جگہ جمع ہو گئیں ،

آسمان پر غبار کا بادل چھا گیا بازدوں کی فوجیں خونریزی میں مصروف تھیں نہ مشرکین اپنے امیر کی مدد کے لیے جا سکتے تھے نہ مسلمان اُس روز مسعود اور مسلمانوں کے دوسرے کئی قائد شہید ہو گئے مسعود نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اگر تم ہم کو شہید ہوتے ہوتے دیکھو تو تم اپنے کام سے دست کش نہ ہونا کیونکہ لشکر ہٹتا ہے اور پھر واپس ہوتا ہے، اپنی صفوں میں ثابت قدم رہنا اور اپنے قریب والوں کے کام آتے رہنا، مسلمانوں کے قلب نے مشرکین کے قلب کے چھکے چھڑا دیئے ایک تغلبی نصرانی لڑکے نے مہران کو قتل کر دیا اور اس کے گھوڑے پر چڑھ بیٹھا، مثنیٰ نے مہران کے اسلحہ اس لڑکے کے رسالے کے افسر کو دے دیئے، اس وقت یہی طریقہ تھا کہ جب کوئی

مشرک اسلامی فوج میں شریک ہو کر کسی کو قتل کرتا تو اس کے مقتول کے اسلحہ قاتل کے دستے کے قائد کو دے دیتے جاتے تھے۔ اور لڑائی کے دو قائد تھے ایک جریر دوسرے ابن الہوبہ چنانچہ مہران کے اسلحہ ان دونوں نے تقسیم کر لیے۔

محفز بن ثعلبہ کا بیان ہے کہ بنی تغلب کے چند نوجوان گھوڑوں پر سوار ہو کر آئے اور جب مسلمانوں اور ایرانیوں میں جنگ شروع ہوئی تو انہوں نے کہا کہ ہم عربوں کے ساتھ ہو کر عجمیوں سے لڑیں گے ان میں سے ایک نوجوان نے مہران کو قتل کر دیا، مہران اس روز ایک کمیت گھوڑے پر سوار تھا جس کے جسم پر زرہ نما جھول پڑی ہوئی تھی اور اس کی پیشانی اور دم پر پیتل کے زرد چاند لگے ہوئے تھے وہ نوجوان اس گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ان الفاظ میں اپنے نسبی فخر کا اظہار کرنے لگا انا الغلام التغلبی انا قتلت المرزبان ترجمہ:- میں تغلبی جوان ہوں میں نے ایرانی رئیس کو قتل کیا ہے، اس کے بعد جریر اور ابن الہوبہ اپنی قوم کے لوگوں کو لیکر آئے اور بطور تعظیم اس نوجوان کا پاؤں پکڑا اور اس کو گھوڑے سے اتارا۔ (۱)

(۱۴)

عمال کی تادیب

حضرت عمرؓ اس بات کا سختی سے احتساب کرتے تھے کہ وہ رعیت پر — مسلم و ذمی — زیادتی نہ کرنے پائیں، یہ واقعہ ملاحظہ ہو:-

---

(۱) طبری، ج ۱ ج ۴ ص ۲۱۸۱

حضرت عمرؓ بن الخطاب اپنے عمال کے اموال (کی مقدار و مالیت) لکھ لیتے تھے، اور پھر اس میں جو اضافہ ہوتا، اس کا ایک حصہ، اور کبھی کل کا کل ضبط کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے عمروؓ بن العاص کو لکھا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس اب ایسے سامان، غلام، ظروف اور جانور ہیں جو اُس وقت نہیں تھے، جب میں نے تمہیں مصر کا والی کیا تھا۔" عمرو نے اس کا یہ جواب دیا کہ "ہماری زمین زراعت اور تجارت کی زمین ہے اور اس سے ہمیں اتنی آمدنی ہوتی ہے جو ہمارے مصارف سے زائد ہوتی ہے۔" حضرت عمرؓ اس کے جواب میں انہیں لکھا کہ "مجھے عمال السوء کا کافی تجربہ ہو چکا ہے، اور تمہارا جو خط آیا ہے وہ ایسے شخص کا خط معلوم ہوتا ہے جسے حق کی گرفت نے بے چین کر دیا ہو میں تم سے بدگمان ہو گیا ہوں اور محمد بن مسلمہ کو مال تقسیم کرنے تمہارے پاس بھیجتا ہوں، تم اس سے اپنا راز کہہ دو، جو کچھ وہ مانگے اسے دے دو اور اس کو اپنے اوپر سختی کرنے سے معاف رکھو، کیونکہ بات کھل چکی ہے۔" چنانچہ اس نے (عمرو کے) اموال تقسیم کی،

المدائنی، عیسیٰ بن یزید کے حوالہ سے کہتا ہے: "جب محمدؐ بن مسلمہ نے عمرو بن العاص کا مال تقسیم کیا تو عمرو نے کہا۔" ابن حنتمہ[1] نے ہمارے ساتھ جس زمانے میں یہ برتاؤ کیا ہے وہ یقیناً برا زمانہ ہے۔ (العاص ریشم پہنتے تھے جس کے حاشیہ دیباج[2] کے ہوتے

---

[1] یعنے حضرت عمرؓ۔ حنتمہ انکی والدہ کا نام تھا۔ وہ ہشام بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کی بیٹی تھیں۔ (نووی، ص ۴۴۷)، [2] دیبا کا معرب ہے اعلیٰ قسم کے کپڑے کو دیباج کہتے ہیں۔ یہ بادشاہوں اور امیروں کے پہننے کا کپڑا تھا۔

تھے، " محمدؐ نے کہا: " خاموش - اگر یہ ابن حنتمہ کا زمانہ نہ ہوتا، جس سے تم کراہت کرتے ہو تو تم اپنے گھر کی انگنائی میں اس حال میں پاتے جاتے کہ بکری کی ٹانگیں تمہاری ٹانگوں میں ہوتیں، اس کے دودھ کی زیارت تمہیں خوش کرتی اور اس کی قلت تمہیں ناخوش کرتی " عمرو نے کہا: " خدا کے لیے یہ بات عمرؓ سے نہ کہنا - مجالس کی گفتگو کے لیے امانت ضروری ہے " - محمدؐ نے کہا " جو باتیں مجھ میں اور تم میں ہوتی ہیں وہ عمرؓ کے بیٹے جی نہیں کہوں گا " (۱)

اس واقعہ سے معلوم ہوگا کہ کتنے جزئی واقعات پر حضرت عمرؓ نگاہ رکھتے تھے، اور اعمال کے احتساب میں خواہ ان کی شخصیت کیسی ہی کیوں نہ ہو کسی طرح کی رو رعایت سے کام نہیں لیتے تھے۔

(۱۵)

ارضِ سواد کا فیصلہ

سواد کا علاقہ جب فتح ہوا، تو حضرت عمرؓ نے، اسے، عام مسلمانوں میں تقسیم نہیں کیا، وہاں کے لوگوں کو ذمی بنا لیا، اور ملکیت قوم کی قرار دیا، تاکہ، اس سے مسلمان اپنی حکومت میں برابر منتفع ہوتے رہیں، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ یہ ذمی، افراد و اشخاص کے بجائے، حکومت کی رعایا بن گئے اور جزیہ ادا کرکے انہوں نے وہ تمام حقوق اور مراعات حاصل کر لیے، جو مسلمانوں کو حاصل تھے،،

"حضرت عمرؓ نے السواد کا علاقہ ان لوگوں کے لیے محفوظ رکھا

---

(۱) فتوح البلدان، دوم، ص ۴۶۰

جو مردوں کی صلب اور عورتوں کے رحم میں ہیں اور اہل السواد کو ذمی قرار دیا، ان سے جزیہ لیا جاتا ہے، اور ان کی زمینوں پر خراج ہے۔ وہ ذمی ہیں، ان کے لیے بند غلامی نہیں ہے۔ سلیمان نے کہا:۔ ولید بن عبدالملک نے اہل السواد کو فئ قرار دینا چاہا تھا، لیکن میں نے اس کو حضرت عمرؓ کے طرز عمل کی خبر دی جو انہوں نے اس بات میں اختیار کیا تھا اور اللہ نے اس کو ان کے ساتھ ایسا کرنے سے باز رکھا۔ (۱)

ایسی ہی شاندار مثالوں کا نتیجہ تھا کہ، بعد کے آنے والے ملوک وسلاطین نے بھی اگر اس جادہ سے ہٹنے کی کوشش کی، تو انہیں فوراً ٹوک دیا گیا، اور وہ ایسا نہ کر سکے،

(۱۶)

ذمی کی رعایت خاص

انہی رعایتوں کا یہ نتیجہ تھا کہ، غیر مسلموں کو، مسلمانوں کے حقوق میں برابر کا شریک کر لیا گیا، چنانچہ شرع اسلام کی رو سے، اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو غلطی سے ہلاک کر دے، تو اسے کفارہ دینا پڑے گا، لیکن بالکل یہی صورت ان غیر مسلموں کے لیے بھی، جو مسلمانوں کے ذمہ میں آچکے ہیں، یعنی کسی ذمی کو اگر کوئی مسلمان غلطی سے قتل کر دے، تو اس کا کفارہ بھی وہی ہے، جو مسلمان کا:—

ومن قتل مؤمنا او	جس شخص نے کسی مسلمان یا ذمی کو بغیر
ذمیا بغیر حق او شارک	کسی (معقول) وجہ کے قتل کیا، یا قتل میں
فیه او فی اسقاط جنین	شرکت کی، یا اسقاط جنین کا موجب بنا،
فعلیه کفارة وهی	تو اس پر کفارہ واجب ہے کسی مسلمان

تحریر رقبۃ مؤمنۃ فمن لم یجد فصیام شہرین متتابعین (۱) — غلام کا آزاد کرنا، یا دو ماہ تک مسلسل روزے رکھنا، (۱) (۱۲)

رہا کے عیسائیوں سے صلح

مسلمانوں اور عیسائیوں میں بار بار، لڑائیاں ہوئیں، اور خدا کے فضل سے مسلمان ہی غالب آئے، لیکن انہوں نے کبھی بھی نشۂ فتح سے سرشار ہو کر، غیر مسلموں کے ساتھ سختی اور تشدّد کا مظاہرہ نہیں کیا: —

عیاض الرّہا آئے (۱۸ھ) یہاں کے باشندوں نے مسلمانوں پر گھنٹہ بھر تیر برسائے، پھر ان کے جنگ آزما میدان میں نکلے، مسلمانوں نے انہیں ہزیمت دی، حتیٰ کہ ان کو مدینہ (شہر) میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ لیکن تھوڑے ہی دن بعد وہ صلح و اماں کے طالب ہوئے، عیاض نے (ان کی درخواست) قبول کر لی اور انہیں ایک تحریر دی جو یہ ہے: —

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ تحریر عیاض بن غنم کی طرف سے الرہا کے اسقف کے لیے ہے۔ اگر وہ میرے لیے اس شرط پر شہر کا دروازہ کھولے گا کہ ہر شخص کی طرف سے ایک دینار اور دو مُدی گیہوں دے گا تو اس کی جان اور اموال کے لیے، اور ان لوگوں کے لیے جو اس کے ساتھی اور پیرو ہوں، امان ہے، اس پر گم کردہ راہیوں کی رہنمائی، پُلوں اور سڑکوں کی درستی اور مسلمانوں کی خیر خواہی لازم ہے، اس پر خدا گواہ ہے اور اسی کی گواہی کافی ہے۔ (۲)

---

(۱) عمدۃ الفقہ، (ابن قدامہ) صفحہ ۱۴۴ مطبوعہ مصر، (۲) فتوح البلدان، دوم صفحہ ۲۸۹

اس معاہدہ کی ایک ایک سطر سے اندازہ ہوتا ہے، کہ ان عیسائیوں کے جذبات اور احساسات کا کتنا زیادہ خیال رکھا گیا ہے، اور ان پر کوئی ایسی شرط نہیں عائد کی گئی، جو ان کے لیے تکلیف دہ یا ناقابل برداشت یا ذلّت آمیز ہو،

(۱۷)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ

ذیل میں جو واقعہ درج کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی نوعیت میں اسی طرح کا ہے، اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شرارت پسند دشمنوں سے بھی مسلمانوں کا سلوک، شریفانہ ہی رہا، :

عیاض کی طلیعہ[1] نے (۱۸ھ) الرقہ پہنچ کر ایک آبگیر کی آبادی پر جو عربوں اور کسانوں کی ایک قوم پر مشتمل تھی، چھاپہ مارا اور اس میں بہت سی غنیمت اس کے ہاتھ میں آئی۔ آبگیر کے باشندوں میں سے جو بچ نکلے وہ بھاگ کر شہر میں چلے گئے عیاض آگے بڑھ کر باب الرقہ پر خیمہ زن ہوئے، یہ اس کے دروازوں میں سے ایک دروازہ تھا۔ اہل شہر نے مسلمانوں پر گھنٹہ بھر تیر باری کی جس سے بعض مسلمان زخمی ہوئے، عیاض پیچھے ہٹے کہ دشمن کے تیر اور پتھر ان تک نہ پہنچ سکیں، اور انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کے گرد چکر لگایا اور اس کے دروازوں پر فوج کی ٹکڑیاں متعین کیں، پھر اپنے لشکر میں آئے اور (شہر کے چاروں طرف) سرایا پھیلا دیئے، جنہوں

---

[1]۔ طلیعہ: تین چار آدمیوں کی ٹکڑی، جو بطور مقدمہ یا جاسوس کے ملک میں اطلاعات حاصل کرتے بھیجی جاتے۔

نے دیہات سے قیدی پکڑے اور کثیر سامان خوراک حاصل کیا۔ — یہ فصلوں کی کٹائی کا زمانہ تھا — جب اس حالت کو پانچ چھ مہینے گذر گئے تو شہر کے قائد (بطریق) نے عیاض کے پاس طلب امان کا پیغام بھیجا۔ عیاض نے اس کو امان دی اور شہر کے تمام باشندوں کی جانوں اور ان کے مالوں اور ان کی اولاد اور ان کے شہر کو امان دیکر اس سے صلح کرلی اور کہا مگر زمین ہماری ہے، کیونکہ ہم نے اس کو مغلوب کیا ہے اور اس کی حفاظت کی ہے — پھر ساری زمین خراج انہی کے پاس رہنے دی اور جن زمینوں کے لینے سے انہوں نے انکار کیا وہ عشر پر مسلمانوں کو دے دیں۔ عیاض نے تمام اہل الرقہ پر عورتوں اور بچوں کے سوا فی کس ایک ایک دینار سالانہ جزیہ لگایا اور چند قفیزہ[1] گیہوں مقرر کئے۔ (۲)

(۱۸)

نقض عہد کسی طرح گوارا نہیں،

سرکاری پالیسی سے قطع نظر، ذاتی طور پر بھی، حضرت عمرؓ اس بات کا بڑا لحاظ رکھتے تھے کہ، کوئی ایسا موقع نہ آنے پائے، جس سے ذمیوں کو غلط فہمی پیدا ہو، اور وہ مسلمانوں کے ایفاء عہد سے متعلق بدگمان ہو جائیں، اس سلسلہ میں، شام کا ایک واقعہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے جس سے حضرت عمرؓ کے جذبۂ پاس عہد کا اندازہ ہوگا: —

---

[1] قفیز ایک پیمانہ ہے جس میں دس ملوک اناج سماتا ہے،

(۲) فتوح البلدان، دوم، ص۲۸۶

مجھ سے ہشام بن عمار نے کہا، انہوں نے کہا ہم سے الولید بن مسلم نے کہا، ان سے تمیم بن عطیہ نے، اور ان سے عبداللہ بن قیس نے کہ:۔ میں ان لوگوں میں سے تھا جو (حضرت) عمرؓ سے ابو عبیدہ کے ساتھ اس وقت ملے تھے جب وہ الشام سے آئے تھے (حضرت) عمرؓ گذر رہے تھے کہ اہل اذرعات میں سے مقلّسین ہاتھوں میں تلواریں اور مہندی لیے ہوتے ملے۔ (حضرت) عمرؓ نے کہا انہیں (اس سے) روکو۔ ابو عبیدہ نے کہا: امیر المومنین یہ ان کی سنت ہے (یا ایسا ہی کلمہ کہا) اگر آپ انہیں اس سے منع کریں گے تو وہ یہ سمجھیں گے کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے، آپ کے دل میں اس سے نقض کا ارادہ ہے۔ کہا: اچھا نہ روکو۔ وہ حالانکہ ان عیسائیوں کو، اگر اس طرح آنے سے منع کیا جاتا، تو بہ ظاہر یہ ایسی کوئی بات نہیں تھی، جس سے نقضِ عہد کا گمان کیا جاتا، لیکن محض تالیفِ قلب کے خیال سے حضرت عمر نے ابو عبیدہ رضؓ کی بات مان لی،

(۱۹)

عیاض اور ابو عبیدہؓ

غیر مسلموں سے جو شرائط صلح کیے جاتے تھے، وہ حد درجہ نرم ہوتے تھے، اگر مسجد کی تعمیر مدنظر ہوتی تھی، تو، بھی، یہ کام جبر و جور سے نہیں کیا جاتا تھا، ان سے باقاعدہ اجازت لی جاتی تھی، اور اجازت حاصل کرنے کے بعد، مسجد کی بنیاد پڑتی تھی، تاریخ میں اس طرح بہت سے واقعات ملیں گے، نمونۃً ملاحظہ ہو:۔

(۱) فتوح البلدان، دوم، ص ۲۲۵

ابو عبیدہ حلب کی طرف روانہ ہوئے، ان کے مقدمہ پر عیاض بن غنیم الفہری تھے۔ ان کے والد کا نام عبد غنم[1] تھا۔ جب یہ اسلام لائے تو انہوں نے پسند نہیں کیا کہ عبد غنم کہلائیں اور کہا۔ "میں عیاض بن غنم ہوں"۔ (جب وہ یہاں پہنچے تو، انہوں نے دیکھا کہ اہل شہر قلعہ بند ہیں، یہ خیمہ زن ہو گئے، کچھ دن گذرنے پر اہل شہر نے اپنی جانوں کے لیے اور اپنے اموال کے لیے اور اپنی شہر پناہ کے لیے اور کینسوں کے لیے اور اپنے قلعہ کے لیے امان و صلح کی درخواست کی۔ (عیاض نے) انہیں امان دے دی اور ان سے صلح کر لی اور مسجد کے لیے ان سے ایک جگہ مستثنےٰ کرالی۔ ان امور پر ان سے صلح کرنے والے عیاض اور اس صلح کو نافذ کرنے والے ابو عبیدہ تھے۔ (۲)

(۲۰)

صلح بذریعہ نامۂ پیام

آج کل بھی یہ دستور ہے کہ جب کوئی ہار جاتا ہے، تو وہ اپنے اعیان و اکابر حکومت کو بھیج کر صلح کرتے ہیں، اور وہ مجبوراً دستخط کر دیتے ہیں لیکن اسلام میں ———؟

اور بعض کا دعویٰ ہے کہ ابو عبیدہ نے حلب میں ایک متنفس بھی موجود نہیں پایا، اس لیے کہ وہ ان کے آنے کی خبر

---

(۱) غنم جاہلیت کے بتوں میں سے ایک بت کا نام تھا،

(۲) فتوح البلدان دوم، ص ۲۳۷

سنتے ہی انطاکیہ چلے گئے، انہوں نے یہیں بیٹھے بیٹھے اپنے شہر کے لیے صلح کی درخواست کی اور نامہ و پیام کے ذریعہ تمام معاملات طے کیے اور جب صلح کی تکمیل ہو گئی تو حلب کی طرف واپس آ گئے۔ (۱)

ایسا اس لیے ہوا کہ مقصد صلح کرنا تھا، غیر مسلموں کو زندہ رہنے کا حق دینا تھا، اگر یہ مدنظر نہ ہوتا، تو وہی کچھ ہوتا جو آج مہذب اور متمدن حکومتیں کر رہی ہیں۔

(۲۱)
جزیہ پر صلح

ایک اور واقعہ:—

حاضر[۲] طے ایک قدیم جگہ ہے۔ یہ لوگ حرب فساد کے بعد جو ان کے دو فرقوں کے درمیان ہوئی تھی یہاں آکر مقیم ہوئے تھے، اس کے بعد ان میں سے کچھ لوگ پہاڑوں (اجأ وسلمیٰ) کے درمیان ٹھہر گئے اور باقی ماندہ مختلف شہروں میں پھیل گئے جب ابو عبیدہ ان کے پاس آئے تو ان میں سے بعض اسلام لائے اور بہتوں نے جزیہ پر صلح کر لی اور پھر آسانی سے اسلام قبول کر لیا لیکن جو ان کی جماعت سے الگ ہو گئے تھے وہ الگ رہے، جو جماعت سے الگ ہو گئے، یعنی، جنہوں نے مسلمانوں سے صلح نہ چاہی ان پر کوئی زیادتی نہ کی گئی، جنہوں نے ذمہ میں آنا پسند کیا، انہیں جزیہ کی

---

(۱) فتوح البلدان، دوم، ص ۲۳۵

[۲] جغرافی اصطلاح میں حاضر اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگ ایک مستقل ذریعہ حصول آب پاکر سکونت پذیر ہو جائیں۔